ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

آزادی کے عملی نتائج سے محروم سوسائٹی

''خود غرضی اور مطلب پرستی' موجودہ نظام معاشرت وسیاست کا جنم روگ ہے، جب تک اس کا ازالہ نہ ہو، ظاہری انتظامات، اصلاحات وترقیات کچھ زیادہ نتیجہ خیز نہیں، سیاسی طور پر ملک آزاد وخود مختار ہو یا غیر ملکی حکومت کے ماتحت، جب تک ہماری سوسائٹی پر خود غرضی مسلط ہے، دولت وعزت کا عشق تمام ملک پر چھایا ہوا ہے، ذمہ داری کا احساس افراد کے دلوں سے نکل چکا ہے اور معاشرہ کا قلبی رجحان زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی، فرضی ضروریات کے حصول اور خواہشات نفس کی تکمیل کی طرف ہے، عملاً وہ سوسائٹی زندگی کی حقیقی مسرتوں اور آزادی کے عملی نتائج سے محروم رہے گی۔'' (آنکھوں کی سوئیاں:۱۳)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

ایام تشریق اورتکبیرات تشریق

نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے بعد سے تیرھویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تک، ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے مردوں پر اور آہستہ آواز سے عورتوں پر پڑھنا یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

اور اگر فرض نماز کے بعد امام تکبیر پڑھنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بلند آواز سے تکبیر پڑھیں۔ یہ تکبیرات ایک مرتبہ پڑھنا واجب اور تین مرتبہ پڑھنا سنت ہے۔

عید الاضحی کے دن کی سنتیں

☆ صبح کو جلدی اٹھنا ☆ مسواک کرنا ☆ غسل کرنا ☆ اچھے کپڑے پہننا ☆ خوشبو لگانا ☆ عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا ☆ عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا ☆ عید گاہ جلدی جانا ☆ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کا گوشت کھانا۔ ☆ پیدل جانا ☆ ایک راستہ سے جانا دوسرے راستہ سے واپس آنا ☆ راستہ میں تکبیر تشریق (اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ) پڑھتے ہوئے جانا۔

قربانی کا طریقہ

قربانی کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف دی جائے، اسے زیادہ تڑپایا نہ جائے، زمین پر لٹانے میں ایسا طریقہ نہ اپنایا جائے کہ جس سے جانور گھبرا کر بدکنے لگے، جب جانور قربان گاہ میں آجائے تو اسے جلد ذبح کرنے کی کوشش کی جائے، چھری اور رسی وغیرہ پہلے سے تیار رکھی جائے، پھر جب قربانی کا جانور قبلہ رخ لٹا دے تو پہلے یہ دعا پڑھے:

"إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ حَنِيفاً وَّ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ،

إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهٗ

وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ لَكَ"

پھر "بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہہ کر ذبح کرے، اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ ،وَ خَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ"۔

اگر ایک دوسرے کی طرف سے قربانی کر رہا ہو تو "مِنِّي" کے بجائے "مِن" کہے اور "مِنْ" کے بعد جس کی طرف سے قربانی کر رہا ہے اس کا نام لے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد:۱۱ اگست ۲۰۱۹ء - ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ شمارہ:۸

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَىٰ اللّٰهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ، يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی بھی دن کی عبادت اتنی پسندیدہ نہیں جتنی ذی الحجہ کے دس دنوں کی ہے، ان دنوں میں ایک روزہ کا ثواب سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کی عبادت کے مساوی ہے)

(سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی العمل فی أیام العشر: ۷۶۳)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.10 E-Mail: markazulimam@gmail.com سالانہ زرتعاون: -/Rs.100

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

اگر اب بھی نہ جاگے تو... (اداریہ)........۳
........بلال عبدالحی حسنی ندوی

ذی الحجہ کے دس دن........۴
........مولانا مفتی رفیع عثمانی زید مجدہٗ

ملک کی آزادی کا صحیح مطلب........۵
........حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

واقعہ کہف کی حکمتیں........۷
........حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

مسلم سماج کی تین بنیادی خرابیاں........۹
........مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

عامل تورات نہ کہ حامل تورات........۱۱
........عبدالسبحان ناخدا ندوی

عشرۂ ذی الحجہ اور قربانی کے احکام........۱۳
........مفتی راشد حسین ندوی

قربانی کا جانور کیسا ہو؟........۱۵

حضور ﷺ کا ملک شام کا پہلا سفر........۱۶
........محمد ارمغان بدایونی ندوی

مسلمانوں کا زوال اور اس کے اسباب........۱۸
........محمد نفیس خاں ندوی

جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہیں تو ہو!

نتیجۂ فکر:- مولانا ظفر علی خانؒ

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

مجھ پُر خطا کی لاج تمہارے ہی ہاتھ ہے
مجھ ننگ دو جہاں کا وسیلہ تمہیں تو ہو

جو دست گیر ہے وہ تمہارا ہی ہاتھ ہے
جو ڈوبنے نہ دے وہ سہارا تمہیں تو ہو

دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہیں تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے
اس نور اولیں کا اجالا تمہیں تو ہو

جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہیں تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو

مدیر کے قلم سے

اگر اب بھی نہ جاگے تو ...

بلال عبدالحی حسنی ندوی

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (السحدة: ۲۱) (اور ہم ضرور ان کو بڑے عذاب سے پہلے قریبی عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید وہ پلٹیں)

یہ آیت موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ہے اور راہِ نجات بھی، عالم اسلام کی بات لمبی ہے، اس ملک میں مسلمانوں کے حالات کیا تھے اور کیا ہیں؟ آزادی کے بعد سے کیا ہوا اور ادھر چند سالوں سے کیا ہورہا ہے؟ ہجومی تشدد (Mob lynching) مدرسوں پر حملے اور پورے ملک کی ناموافق فضا، اس سے مسلمانوں نے کیا سبق لیا؟ مایوسی مسئلہ کا حل ہے یا خواب غفلت؟ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا عمومی مزاج اس وقت دین سے دوری کا ایسا بن چکا ہے کہ سوچنے کا انداز بدل گیا ہے، نہ وہ قرآن مجید کی آیتوں سے سبق لینے کو تیار ہیں، اور نہ سیرت کے واقعات سے، غور وفکر کرنے والوں کا حال بھی یہ ہو چکا ہے کہ اگر وہ سامان حفاظت تلاش بھی کرتے ہیں تو وہ سامان غفلت ثابت ہوتا ہے۔

زندہ قومیں تاریخ سے سبق لیتی ہیں، جس کے پاس روشن تاریخ ہو، حقائق وواقعات کا ایک سلسلہ ہو، جس قوم کے اسلاف نے دنیا کو زیروزبر کیا ہو، وہ جہالت کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارے، وہ ذلت وپستی کے غار میں گرتی چلی جائے، تابناک تاریخ کی کرنیں اس کے لیے صحیح روشنی کا سامان نہ کرسکیں اور وہ مایوسی کے بادلوں میں گھرتی چلی جائے، اس کا سبب ایک ہے اور صرف ایک، اس قوم نے سلف سے رابطہ توڑ لیا، صحابہ کی زندگی اس نے ازکاررفتہ سمجھ لی، وہ بھول گئی کہ اس کی ترقی کا راز کیا تھا؟

اللہ کے رسول ﷺ نے فاران کی چوٹیوں سے جب حق کی آواز لگائی تو کس نے آپ کا ساتھ دیا، وہ صحابہ جو ہر طرح تمدن سے خالی تھے، پورے مکہ میں قلم تلاش کیا جاتا تو شاید ہی چند قلم دستیاب ہوتے، ان کے پاس کون سی حکومت یا طاقت تھی، یا انہوں نے کون سی سائنسی ترقیاں کرلی تھیں، ان کو جس طاقت نے زمین نے آسمان پر پہنچایا، اونٹوں کے چرانے والوں کو عالم کا گلہ بان بنایا، اور ساری دنیا کا ان کو معلم قرار دیا گیا، وہ صفت صرف ایمان واخلاق کی تھی، اسی ایمان واخلاق کی طاقت نے تاج خسروی ان کے قدموں میں ڈالا، یہی ایمانی طاقت تھی جس نے ربعی بن عامر کو رستم کے دربار میں ایسا جری کردیا کہ انہوں نے بھرے دربار میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا، یہ وہی اخلاق کی طاقت تھی جس نے سخت سے سخت دلوں کو موم کردیا، آج سب کچھ ہے لیکن یہی نہیں، یہ وہ بنیاد تھی جس پر سائنس کی فلک بوس عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں، اسی بنیاد پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک پورے کروفر کے ساتھ دنیا پر حکومت کی تھی اور دنیا کو علم وحکمت اور امن وامان سے بھردیا تھا۔

اس بنیاد کو پھر سے استوار کرنے کی ضرورت ہے، اس ملک میں بھی اسی ایمان واخلاق کو دہرانے کی ضرورت ہے، جو خواجہ خواجگان فاتح ہندوستان حضرت خواجہ اجمیری کی وراثت ہے، تاریخ میں واقعہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لارہے تھے اور شہاب الدین غوری واپس جارہا تھا، راستے میں ملاقات ہوئی تو سلطان نے کہا: حضرت! کہاں تشریف لے جارہے ہیں، زمین بڑی سنگلاخ ہے، حضرت نے فرمایا: تم جسموں کو فتح کرنے گئے تھے، میں دلوں کو فتح کرنے جارہا ہوں، پھر دنیا نے دیکھا ؎

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

اس بنیاد کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، موجودہ حالات میں اگر کوئی راستہ ہے تو صرف یہی ایک راستہ!

ان ہی حالات کے پیش نظر کسی عارف نے یہ بات کہی تھی ''میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، اس ملک کو اسپین بنانے کا پورا نقشہ تیار ہے''

اگر ہمارے علماء کھڑے نہ ہوئے اور انہوں نے اسلام کی حقیقت لوگوں کے سامنے نہ کھولی، برادرانِ وطن کی غلط فہمیوں کو دور نہ کیا تو انتہائی خطرہ کی بات ہے، آج وہ خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے، مردِ حق آگاہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب سمجھنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، آج یہ ایک حقیقت بن چکی ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ قدم نہیں اٹھتے، ضرورت اس بات کی تھی کہ اپنی ساری مصروفیات اور شدید مصروفیات کو کچھ وقت کے لیے بالائے طاق رکھ کر لوگ دوڑ پڑتے، جاگتے اور جگاتے، اب وقت غفلت کا نہیں رہا، غیر ضروری چیزوں میں پڑنے کا نہیں رہا، خدانخواستہ اب بھی نہ جاگے تو آگے خدا ہی حافظ ہے، نہ مدرسوں کی خیر ہے نہ مسجدوں کی، نہ دکانیں سلامت رہیں گی نہ یہ بازار، یہ ملک جس کو جنت نشاں سمجھا جاتا تھا، یہ جہنم کدہ بن سکتا ہے، پھر کسی کی خیر نہیں، نہ اپنوں کی نہ غیروں کی، پانی سر سے اونچا ہو رہا ہے، پورے ملک میں آگ لگائی جارہی ہے، اس کو صرف ایمان واخلاق سے بجھایا جاسکتا ہے ع عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے۔

انسان انسان ہے، اس کے اندر دھڑکتا ہوا دل ہے، وہ کچھ سمجھے نہ سمجھے، انسانیت کی بات آج بھی سمجھتا ہے، یقیناً ایسے دل بھی ہیں جو پتھر کی سل ہو چکے، لیکن اکثریت وہ ہے جس کے سینوں میں آج بھی انسانوں کے دل دھڑک رہے ہیں، ان کو دستک دینے کی ضرورت ہے، اس کے لیے ہم سب کو میدانِ عمل میں آنا ہوگا، اپنی افادیت ثابت کرنی پڑے گی، ایک نمونہ پیش کرنا ہوگا، اسلام کی پیشانی پر ہم نے بداخلاقیوں سے جو داغ دھبے ڈالے ہیں، ان کو صاف کرنا ہوگا، یہی اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور اسی سے غبار آلود مطلع صاف ہوسکتا ہے۔

فهل من مجيب!

ذی الحجہ کے دس دن

مولانا مفتی رفیع عثمانی زید مجدہ

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں دسواں دن تو عید کا ہوتا ہے، جس میں روزہ رکھنا حرام ہے، باقی نو دنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ان میں ایک دن کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے، ایک رات کی عبادت کا ثواب شبِ قدر کے برابر ہے۔''

الحمدللہ ان دنوں میں بہت سے مسلمان روزے رکھتے ہیں اور اکثر روزے رکھنے والے وہ ہوتے ہیں جن کے فرض روزے ادا ہو چکے ہوتے ہیں، اور وہ ان دنوں میں نفلی روزے رکھتے ہیں، لیکن ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ قضا روزے ہوں تو ان دنوں میں ان کی قضاء کریں، عام طور پر عورتوں کے شرعی عذر کی وجہ سے ہر رمضان میں روزے قضا ہوجاتے ہیں، ان کے لیے بھی قضا روزے رکھنے کا بہترین موقع ہے، ان دنوں میں قضاء روزے رکھنے کے دو فائدے ہیں: ایک یہ کہ رمضان المبارک کے روزوں کی قضاء ہوجائے گی، دوسرے ان دنوں کی برکت بھی حاصل ہوجائے گی۔

جہاں تک رات کو جاگ کر عبادت کرنے کا معاملہ ہے تو افضل تو یہ ہے کہ پوری رات جاگ کر عبادت کی جائے، لیکن یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے، اس کی ہمت ہر ایک کو نہیں ہوتی، کیونکہ دوسرے کام مثلاً ملازمت، تجارت و دیگر مشاغل میں وقت صرف ہوتا ہے، یہ رات مغرب کے وقت سے شروع ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص پوری رات نہیں جاگ سکتا تو مغرب سے عشاء اور عشاء کے بعد جتنا وقت مل جائے، اس میں جتنی عبادت ہوسکتی ہے کرے، پھر آخر شب میں اٹھ جائے، اس میں جتنی عبادت کر سکے کرے۔

اللہ رب العالمین نے اس دین کو اتنا آسان کیا کہ کم ہمت اور کمزور لوگوں کے لیے قدم قدم پر رعایتیں رکھی گئیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''اگر کوئی شخص عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے اور پھر فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھے تو اس کو پوری رات کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔''

اگر کوئی شخص عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھے اور مزید عبادت بھی کرے تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب اور بڑھ جائے گا، جتنا گڑ ڈالے گا اتنا میٹھا ہوجائے گا، لیکن اگر کوئی کم ہمت ہے تو وہ صرف عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے تو اس کے لیے بھی محرومی نہیں رکھی گئی، بلکہ اسے بھی پوری رات عبادت کرنے کا ثواب عطا کیا گیا۔ (اصلاحی تقریریں)

ملک کی آزادی کا صحیح مطلب

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ہندوستان کی جنگ آزادی کی کامیابی کا جو شہرہ ہوا اور دنیا میں اس جد و جہد اور اس کے مخلص اور صاحب بصیرت رہنماؤں کو جو عزت ملی، ان کے کارنامہ کا جس طرح اعتراف کیا گیا، اور معاصر دنیا اور محکوم ملکوں کے لیے وہ جس طرح ایک شاندار نظیر اور ہمت افزا کارنامہ بن گیا، اس نے جس طرح ہندو مسلم اتحاد کا، ترک موالات (Non-Cooperation) جیلوں کے بھر دینے اور قربانیوں کے پیش کرنے کا منظر دنیا کے سامنے پیش کیا، اس نے ہندوستان کا نام روشن کیا، اور دنیا کے کئی ملکوں نے جو آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے، اس کو اپنے لیے نمونہ اور قابل تقلید مثال سمجھا، آج بھی بہت سے ایشیائی و مشرقی ملکوں میں ہندوستان کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے اور جنگ آزادی کے سورماؤں (Freedom Fighter) کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

ملک کی آزادی کی اس نعمت اور کارنامہ کا حق یہ تھا کہ ہم ہر قیمت پر اور ہر طرح کی قربانی دے کر اس کی حفاظت کریں، اور اس کی آبرو اور عزت قائم رکھیں، اس پر ہر دور میں اور ہر جگہ فخر اور شکر کے جذبات کا اظہار کیا جائے، غلامی کے دور کے تصور سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، اور ہمارے اندر کراہت و حقارت، نفرت اور "گھن" کا ایک جذبہ پیدا ہو اور ہم کسی حال میں اس دور کے واپس آنے کا تصور اور اس کو ترجیح دینے کا تخیل بھی گوارہ نہ کر سکیں۔

لیکن میں اب دل پر پتھر رکھ کر اور اپنے ضمیر اور سامعین سے معذرت کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ آج ہمارے ملک کی جو حالت ہو رہی ہے، اور خاص طور پر (۶ر دسمبر کے بعد سے) ہندوستان کے کئی بڑے بڑے شہروں میں اپنے ہم وطنوں اور ملکی بھائیوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، جس سفاکی اور بے دردی کے ساتھ ہزاروں آدمیوں کا خون بہایا گیا، گھر اور دوکانیں لوٹی گئیں اور جلائی گئیں، عورتوں کی بے عزتی کی گئی، بچوں کو مٹی کے برتنوں کی طرح توڑا اور خاک میں ملایا گیا، کروروں اور اربوں کا سرمایہ لوٹا گیا اور ضائع کیا گیا، میدان جنگ کی طرح خوف و ہراس کی فضا' باغ و بہار شہروں اور تماشا گاہ بستیوں پر ہفتوں طاری رہی، اس نے ملک کو ایسی منزل پر کھڑا کر دیا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد غلامی کے دور کو یاد کرنے لگی اور اس زمانہ کو نہ صرف ترجیح دینے لگی بلکہ اس کی آرزو کرنے لگی، جب ملک میں ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا، عزتیں اور عصمتیں محفوظ تھیں، بچوں پر کوئی بری نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا، ساری خرابیوں اور بد کرداریوں کے ساتھ اور اس حقیقت کے ساتھ کہ سات سمندر پار کے رہنے والے انگریزوں کو اس ملک پر حکومت کرنے کا ہر گز حق نہ تھا، اور وہ ایک بدیسی راج تھا جو یہاں سے دولت حاصل کر کے اپنے ملک کو منتقل کرتا تھا، عام شہریوں کو اس کا اطمینان تھا کہ وہ محفوظ ہیں، پولیس اور فوج ڈرنے کی چیز نہیں تھی، وہ کرایہ کے ٹٹو تھے اور بدیسی حکومت کے غلام، لیکن ان میں اپنے ہم مذہبوں اور اپنی ذات برادری کی حمایت و ترجیح کا جذبہ نہیں تھا، وہ امن عامہ اور تحفظ کا اپنے کو ذمہ دار سمجھتے تھے، اس سے زیادہ اس دور اور اس دور کے حاکموں کی تعریف اور اعتراف میں کہنا اپنی غیرت و ضمیر کو گوارہ نہیں اور یہ بھی جو کچھ کہا گیا وہ بھی دل پر جبر کر کے کہا گیا۔

اس سے بڑی بات یہ ہے کہ یہاں کی مختلف قومیں اور مذاہب اپنے عقیدے اور مذہب اور اپنی تہذیب و ثقافت کے مطابق زندگی گذارنے اور اس کو اپنی آئندہ نسل تک منتقل کرنے اور اس کے مطابق تعلیم گاہیں، مکاتب و مدارس قائم کرنے، اپنی زبان میں لکھنے پڑھنے میں آزاد تھے، ان پر کوئی علم الاصنام مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی تھی، اس وقت انگریزی کی ریڈروں اور نصاب تعلیم میں جانوروں کے قصے، کتے بلی کی حکایتیں اور تصویریں یا عالمی تاریخی شخصیتوں کے قصے اور ان کا تعارف ہوتا، لیکن عیسائی مذہب کے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عقیدۂ تثلیث یا صلیب کی تصویر و تقدیس کی دعوت نہیں ہوتی تھی، اس لیے جن لوگوں کو مذہب سب سے زیادہ عزیز تھا، ان کو اس معاملہ میں کوئی بڑی تشویش نہ تھی، صرف مغربی تہذیب و معاشرت، مغربی فیشن اور مغربی تخیلات و معیار اور کسی کسی وقت مذہبی آزادی، الحاد اور بے راہ روی کا ڈر رہتا تھا۔

لیکن اب اس سلسلہ میں صورت حال مختلف ہے اور بعض

جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں نے اپنے تعلیمی و تربیتی منصوبوں کا صاف اعلان کردیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اب ایک ہی زبان ہندی رہے گی، نصاب کی کتابوں میں ایک خاص میتھالوجی (دیو مالا) ہی داخل کی جائے گی، ایک بدلی ہوئی تاریخ پڑھائی جائے گی، آزاد مدارس ومکاتب کا قیام مشکل ہوجائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

اب اس کے بعد دل کو تھام کر اور پوری معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے وہ لوگ جن کو اپنا مذہب عزیز ہے اور اپنے خاندانوں اور ہم قوموں کی عزت و ناموس ہے، اور پھر اس سے آگے بڑھ کر ملک کا امن وامان اور پرسکون زندگی عزیز ہے، جس میں وہ دینی، اصلاحی، تعلیمی، تصنیفی، ادبی اور فنی کام اور مشاغل اطمینان سے انجام دے سکیں، اور اس سے بڑھ کر اپنی عبادت گاہیں درس گاہیں اور کتب خانے عزیز ہیں، وہ اس زمانہ کو یاد کرنے لگے ہیں (خواہ وہ کتنا ہی غیر فطری تھا) جب یہ سب چیزیں عام طور پر محفوظ اور خارج از بحث تھیں۔

میں آپ کو یہ بھی سنادوں کہ میں نے ایک مرتبہ محترمہ اندراجی سے ان کی وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں جب ایمر جنسی نافذ تھی، اور بعض جگہ بعض اقلیتوں کے ساتھ بڑی زیادتیاں ہوئی تھیں، کہا کہ اندراجی! اس سے زیادہ شرم کی کوئی بات نہیں کہ لوگ انگریزوں کے دور کو جو غلامی کا دور تھا یاد کرنے لگے ہیں، مجھے یہ یقین ہے کہ ہمارے جنگ آزادی کے رہنماؤں کو اس کا کسی وقت اندازہ ہوتا یا تصور بھی آتا کہ ملک کے آزاد ہونے کے بعد ایک ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ ملک کے ذمہ داروں کی تنگ نظری اور غلط کاری کی بنا پر انگریزوں کی حکومت کا دور یاد آنے لگے گا اور وہ اس کی تمنا کرنے لگیں گے تو آپ یقین مانئے کہ ان کے عزم و ہمت اور جوش و خروش میں (جو ملک کو آزاد کرانے کے لیے ظاہر ہورہا تھا) کمی ہوجاتی، اور ان کے دل اور قوت عمل کو بڑا دھکا لگتا اور ان کی تقریروں میں وہ زور اور ان کی جدو جہد میں وہ جوش وخروش نہ رہتا، اور یہ جنگ آزادی اس آسانی کے ساتھ اور نیک نامی کے ساتھ کامیاب نہ ہوتی اور اپنی منزل کو نہ پہنچتی جس پر پہنچی۔

ایک ایسا زمانہ جس میں آدمی اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش نہ ہو، اپنے مدرسوں اور کتابی ذخیروں کو دیکھ کر مطمئن نہ ہو، اپنی محنتوں کے حاصل اور اپنے جوہر وقابلیت کے نتیجہ سے اس میں افتخار کیا، اعتماد کا بھی جذبہ پیدا نہ ہو، انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے مستقبل کی طرف سے مشکوک ومتردد ہو، اس میں زندگی کا کیا مزا؟ اور ایسے ملک میں کس معنی میں آدمی اپنے کو آزاد شہری، ملک کی زندگی میں دخیل اور اس کی تعمیر وترقی میں شریک اور سرگرم ہو؟ پوری انسانی تاریخ میں انسان کا ضمیر اس بات کو پکار پکار کر کہتا سنائی دیتا ہے کہ غلامی سے بڑھ کر عیب وذلت اور شرم کی کوئی بات نہیں، خدا نہ کرے کہ ایسی عدالت قائم ہو کہ مجھے گواہ پیش کرنے کی نوبت آئے، لیکن سینکڑوں کو پیش کیا جاسکتا ہے جو یہ کہتے تو نہیں ہوں گے لیکن سوچتے ضرور ہوں گے، گھر میں بیٹھ کر باتیں بھی کرتے ہوں گے۔

پھر کسی آزاد ملک میں جس نے ملک کی آبادی کے تمام عناصر اور قوموں اور فرقوں کے تعاون، جدو جہد اور قربانیوں کے ذریعہ آزادی حاصل کی ہو، اس کی قیادت اور رہنمائی میں وہ ملک آزاد ہوا ہو، اس کا کوئی جواز نہیں کہ کوئی ایک فرقہ یا قوم، خواہ وہ کیسی کھلی اکثریت اور بڑی تعداد میں ہو، اور کیسا ہی سرمایہ دار اور باوسائل ہو، وہ نہ صرف اپنی تہذیب وثقافت، اپنے عقائد اور دیومالا کی تعلیم وتبلیغ اور اس کو اپنی نئی نسل کی طرف منتقل کرنے اور اپنی تہذیب وثقافت اور اپنی زبان ورسم الخط کے نہ صرف رواج دینے اور قائم رکھنے میں، بلکہ پورے ملک پر اور نئی نسل پر اس کو جاری اور رائج کرنے میں آزاد ہو، اور دوسرا فرقہ، دوسرا مذہب رکھنے والے (خواہ وہ اپنی تعداد میں کئی ملکوں کے اسی مذہب کے باشندوں سے زیادہ تعداد رکھتے ہوں) اپنے دین ومذہب کے مطابق تعلیم دینے، اپنی زبان و رسم الخط کی ترویج وبقا، اپنی تہذیب وثقافت کے تسلسل کی کوشش میں آزاد نہ ہو، روز بروز اس پر نئی نئی پابندیاں عائد کی جائیں اور رفتہ رفتہ وہ محسوس کرنے لگے کہ وہ چلنے پھرنے، کھانے کمانے میں تو آزاد ہے لیکن لسانی، ثقافتی اور تعلیمی طور پر پابند اور غلام ہے۔

حقیقت میں وہ آزادی آزادی ہی نہیں جس کا سایہ ملک کے ایک حصہ پر پڑے، دوسرا حصہ محروم رہے، ایک فرقے کے حق میں آزادی کی بہار آئے اور اس کا باغ نئے برگ وبار لائے اور دوسری جگہ خزاں کا دور دورہ ہو اور نئے نئے علمی اور ذہنی، تعلیمی وتربیتی اور مذہبی واعتقادی طوق وسلاسل اور رکاوٹوں اور پابندیوں کا منظر!

واقعہ کہف کی حکمتیں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

اصحاب کہف کے واقعہ میں نصیحت اور اظہارِ حقیقت کے کئی پہلو ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیتوں پر انہیں غیر معمولی اجر دیا، اوران کے ساتھ وہ معاملہ فرمایا جو عام طور پر کسی کے ساتھ نہیں ہوتا، اور یہ اس لیے کیا کہ انہوں نے راہِ خدا میں غیر معمولی قربانی دی تھی، انہوں نے ایمان ویقین کا اعلیٰ ثبوت دیا تھا کہ انہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کی، بلکہ اپنے ایمان کی پرواہ کی، اور یہ طے کرلیا کہ ہم دنیا کے ہر فائدے سے اپنے کو محروم کرلیں گے، ہم زندگی سے محروم ہوجائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانے کہ ہم غار میں زندہ رہیں گے یا نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کفرستان سے دور ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عظیم قربانی کا صلہ یہ عطا فرمایا کہ ان کے اندراس طرح کی کیفیت پیدا کردی کہ وہ آرام سے زندہ رہتے ہوئے سو رہے تھے، لیکن ایسے غافل سو رہے تھے کہ جب جاگے تو ان کو خود اندازہ نہیں ہوسکا کہ ہم کتنا سوئے ہیں۔ یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں، جن سے اس واقعہ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے:

پہلی بات یہ کہ تین سو سال تک کسی انسان کو اس کی صحیح حالت میں باقی رہنا ناممکن ہے، اس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی، اور اگر کوئی مثال ملتی بھی ہے تو وہ مثال دنیا کی قرار نہیں پائے گی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا جسم جیسا بنایا ہے وہ ایسا ہے کہ خود بخود قائم نہیں رہ سکتا، اس کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، غذا سے خون بنتا ہے، خون کے ذریعہ اس کے جسم میں طاقت پیدا ہوتی ہے، اور جب خون کو غذا نہیں ملے گی اور خون بننا بند ہوجائے گا تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ دوسری بات یہ کہ جب جسم سے روح نکل جاتی ہے یا جسم کی طاقت ختم ہوجاتی ہے، اور آدمی مردہ ہوجاتا ہے تو اس کے جسم کو کیڑے کھالیتے ہیں، اور کچھ مدت میں اس کا جسم سڑ گل کر ختم ہوجاتا ہے۔

لیکن اصحاب کہف کے ساتھ ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی جو مردہ شخص کو پیش آسکتی ہے، اور جو بات زندہ کو پیش آسکتی ہے وہ بھی پیش نہیں آئی، یعنی نہ زندہ کی حیثیت سے ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو زندہ شخص کے ساتھ دنیا میں ہوتا ہے، اور نہ مردہ کی حیثیت سے وہ معاملہ ہوا جو مردہ شخص کے ساتھ ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان دونوں کے بیچ میں رکھا، وہ زندہ رہے لیکن اس طرح زندہ نہیں رہے جس طرح عام لوگ زندہ ہوتے ہیں، بلکہ وہ سوتے رہے، اور اس طرح سوتے رہے کہ آنکھیں کھلی ہیں اور دیکھنے میں جاگتے معلوم ہورہے ہیں، گویا کہ ابھی کچھ دیر قبل ہی لیٹے ہیں، اوران کا کتا بھی اس طرح بیٹھا ہے جیسے وہ بھی دیکھ رہا ہے، وہ سامنے بیٹھا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حملہ کرنے کے لیے تیار ہے، گویا کہ انتظار میں ہے یا تیاری میں ہے کہ کسی بھی وقت حملہ کردے گا، اور غار کے اندر وہ لوگ لیٹے ہوئے ہیں اوران کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دیکھ رہے ہیں اور جاگ رہے ہیں، ظاہر ہے اب ایسی صورت میں کوئی شخص ان کو جھانک کر دیکھتا تو سوائے خوف ودہشت کے کچھ نہ ہوتا، وہ یہ دیکھ کر بھاگتا کہ پہلے تو ان کا کتا ہی ہم پر چڑھ بیٹھے گا اور پھر یہ لوگ بھی ہم پر حملہ بول دیں گے کہ تم یہاں کیسے آئے؟

اس واقعہ میں تدبر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب ایمان کے منافی حالات پیدا ہوئے اور وہاں ایمان کے ساتھ بقاء مشکل ہوگئی تو انہوں نے ہجرت کی اور انہیں ہجرت کا ثواب بھی ملا۔ قرآن مجید میں ہجرت کی اہمیت بہت زیادہ بیان کی گئی ہے، یہاں تک کی گئی ہے کہ جنہوں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی باوجودیکہ وہ ہجرت کرسکتے تھے، تو جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئیں گے تو ان کی روح سختی کے ساتھ قبض کریں گے اور کہیں گے کہ تم یہاں سے کیوں نہیں نکلے، سو اب تم بھگتو۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کے لیے بہت سخت وعید آئی ہے جو ہجرت کرسکتے ہیں اور نہیں کر رہے ہیں، ان لوگوں کو کفر کے ماحول میں رہنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی شخص مجبوراً وہاں رہتا ہے تو اس کی اجازت ہے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر فرمایا گیا کہ اس صلح کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر اس موقع پر لڑائی ہوجاتی اور تم (مسلمان) غالب آتے تو یقینی بات ہے کہ مکہ والے مارے جاتے اور مکہ میں مسلمان مقیم ہیں، جو کسی وجہ سے ابھی تک ہجرت نہیں کرسکے تھے، وہ سب مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنگ سے روک دیا اور ایسی صلح پر مجبور کردیا جو صلح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کے

مطابق تھی، جب تک ہم اس صلح کے پس منظر کو نہ جان لیں، اس وقت تک ہم واقعہ کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے۔

واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ ایسا سخت معاملہ تھا جس کو عرب کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتے تھے، اس وقت اسلام کے دائرہ میں وہ تمام عرب مسلمان داخل تھے جن کا نشو ونما کفر کے ماحول میں ہوا تھا، اور اسی مزاج کے مطابق ہوا تھا جو کفار قریش اور دوسرے لوگوں کا مزاج تھا، لیکن انہیں اس موقع پر اپنے مزاج کے خلاف کرنا پڑا، جب کہ ان کا حال یہ تھا کہ وہ کسی کے سامنے ناک پر مٹی نہیں بیٹھنے دیتے تھے، کسی کے سامنے اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے، قبیلہ کے قبیلے لڑ کر فنا ہو جاتے تھے، لیکن توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے، اپنی بات کو نیچا نہیں سمجھ سکتے تھے، جان دے دیں گے لیکن اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے کہ ہماری ناک نیچی ہو جائے، وہ صاف کہہ دیتے تھے کہ موت تو آنی ہی ہے، موت سے کیا ڈرنا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے سخت مزاج لوگوں نے اسلام کی خاطر اپنا مزاج بدل دیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مزاج فطری ہوتا ہے، لہٰذا جب ان سے کہا گیا کہ صلح کر لو جب کہ وہ اس حالت میں تھے کہ فتح حاصل کر لیں اور کفار کو شکست دے دیں، تو ان کے ذہن یکبارگی اسے قبول نہ کر سکے اور یہ خیالات آئے بغیر نہ رہ سکے کہ آخر یہ صلح کیوں ہو رہی ہے؟ ہم کیوں دب رہے ہیں؟ ہم تو کبھی اپنے مخالف سے نہیں دبے، ہم کو کیوں دبایا جا رہا ہے؟ البتہ یہ ان کا کمال تھا کہ ان تمام خیالات کے باوجود انہوں نے کچھ نہیں کیا اور برداشت سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مجبور و معذور مسلمانوں کی جان بچ گئی، اور تمام صحابہ کرام کے غیر معمولی درجات بلند ہوئے۔

یہاں سوچنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا درجہ بہت بلند کیا ہے، اور اس لیے کیا کہ انہوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی، اور وہ اپنے وطن کو، اپنے گھر کو، اپنی آمدنی کو، اپنی ہر چیز کو چھوڑ کر ایک غار میں بس گئے اور ظاہر ہے غار میں بسنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم یہاں سے ایک دو دن بعد واپس چلے جائیں گے، واپس آنے کا انہیں کوئی خیال بھی نہیں تھا، گویا انہوں نے اپنی زندگی کو بالکل کاٹ دیا تھا، صرف اس بات کی خاطر کہ ہمارا ایمان نہ چلا جائے، اسی لیے اللہ نے ان کی اس قربانی کا ان کو یہ صلہ دیا کہ ان کو اتنے دن آرام سے زندہ رکھا، اور دکھایا کہ دیکھو ایمان کے ساتھ اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ خود انہوں نے اللہ تعالیٰ پر غیر معمولی توکل کیا، انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم غار میں رہیں گے تو کہاں سے کھائیں گے، کیسے کھائیں گے، بلکہ انہوں نے ان امور کو اپنے پروردگار پر چھوڑ دیا اور مکمل توکل کیا، ظاہر ہے اس درجہ توکل آسان نہیں ہے کہ وسائل وحالات نہیں ہیں، اور کوئی ایسے اسباب بھی نہیں ہیں جن سے معلوم ہو کہ شاید کوئی نظم ہو جائے گا، یہاں ''شاید'' کا بھی کوئی امکان نہیں ہے، لیکن ان حالات میں بھی انہوں نے توکل کیا۔ اس سے پتہ چلا کہ قوی ایمان ایسا ہی ہوتا ہے، آدمی کے پاس اسباب ووسائل کچھ بھی نہیں ہیں، لیکن آدمی کو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کھلائے گا، وہ رازق ہے۔

اصحاب کہف کی ان غیر معمولی قربانیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا ایک صلہ یہ دیا کہ ان کو مثال بنا دیا، اور آئندہ آنے والوں کے لیے وہ ایک مثال بن گئے، اور ان کا تذکرہ قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا، بلاشبہ یہ بہت بڑا انعام ہے کہ قیامت تک کے لیے ان کا تذکرہ محفوظ کر دیا گیا اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دکھایا کہ وہ لوگ بڑے اعزاز کے ساتھ اپنی زندگی میں دوبارہ گھر واپس ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت بیدار کیا جب وہاں انقلاب آچکا تھا اور وہاں اہل ایمان کی حکومت قائم ہو گئی تھی، اللہ نے اس وقت ان کو بیدار کیا، اس سے پہلے نہیں کیا، اگر وہ اس سے پہلے بیدار ہوتے تو ظاہر ہے وہی کشمکش ہوتی کہ کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ کیسے کھانا کھائیں اور کس طرح وقت گذاریں؟ بہت سارے مسائل پیدا ہوتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا وہ وقت بآسانی پار کرا دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کسی چیز کو جب قرآن مجید میں بیان کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ واقعہ قیامت تک کے لیے لوگوں کے سامنے رہنا چاہیے، اہل ایمان کے سامنے ایک مثال رہنی چاہیے، اس لیے کہ زندگی میں بار بار ایسی چیزیں پیش آئیں گی جن میں دیکھنا ہوگا کہ اس سلسلہ میں قرآن مجید کے اندر ہمارے لیے کیا ہدایت ہے، لہٰذا قرآن میں انہیں واقعات وحالات کو بیان کیا گیا ہے جن سے قیامت تک سبق لیا جا سکتا ہے، اور جن کی بنیاد پر اپنی زندگی کو درست کیا جا سکتا ہے، اس واقعہ کے بیان کا مقصد یہی ہے کہ ہم دیکھیں کہ اہل ایمان ایسے ہوتے ہیں، اور اہل ایمان کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا معاملہ ایسا ہوتا ہے۔

مسلم سماج کی تین بنیادی خرابیاں

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اسلام کی بہت سی بنیادی چیزیں ایسی ہیں، جن کا مختلف مسلم علاقوں میں جائزہ لینے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ اب مسلمانوں میں وہ چیزیں بہت کمزور ہوتی جارہی ہیں، حالانکہ دین اسلام میں ان کی اہمیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے، دین کا جو ڈھانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم کو عطا فرمایا ہے، وہ چیزیں اس کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی ان کی طرف سے بے توجہی عام ہوتی جارہی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آج دیکھنے میں دین کا کام بڑھ رہا ہے لیکن حقیقۃً گھٹ رہا ہے، اگر جائزہ لیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ ہم نے دین کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اور آج دین کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں ہے، جس کے نتیجہ میں دین کے جو اثرات ہمارے پڑوسیوں پر پڑنے چاہئیں، اس کا کہیں نام ونشان نہیں ہے، بس یہ حال ہے کہ نہ اندر کی حالت دریافت کرنے کے لائق ہے اور نہ باہر کی۔

دین کی جو اہم چیزیں ہمارے معاشرہ سے رخصت ہوتی چلی جارہی ہیں، ان میں بنیادی چیزیں ذیل کی سطور میں ملاحظہ ہوں:

دین اسلام میں عقیدۂ توحید بالکل بنیادی چیز ہے، لیکن توحید کے عقیدہ کو لوگوں نے بہت آسان سمجھ لیا ہے، اور وہ اس دھوکہ میں بیٹھے ہیں کہ ہم تو مؤمن ہیں، ہم کو عقیدہ کی کیا ضرورت ہے؟ واقعۃً یہ بہت بڑا دھوکہ ہے، ہر وقت ہر شخص کو اپنے ایمان اور اپنے عقیدہ کی فکر ہونی چاہیے، اس لیے کہ یہ بات تو سب لوگ جانتے ہی ہیں کہ اگر کسی کے پاس سونا ہو، اور وہ اس نے اپنے گھر میں کسی جگہ رکھا ہو تو وہ برابر چیک کرتا رہتا ہے کہ سونا محفوظ ہے یا نہیں؟ بلکہ بعض احتیاط پسند لوگ تو اپنا قیمتی سامان بینک کے Locker میں رکھوا دیتے ہیں اور چیک بھی کرتے رہتے ہیں کہ ٹھیک سے رکھا ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ دنیا میں سونے کی بہت اہمیت ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ جس طرح دنیا میں سونے کی اہمیت ہے، اس سے کہیں زیادہ دین میں عقیدۂ توحید کی اہمیت ہے، لیکن آج ہمارے دلوں میں ایمان اور عقیدہ کی اہمیت نہیں ہے، اس لیے کہ ہمیں پشتینی طور پر یہ دولت مل گئی ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں کسی کو فکر نہیں کہ اس کے پاس عقیدۂ توحید باقی ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کل ایمان اور عقیدہ کے چور اور ڈاکو بہت ہیں۔

موجودہ دور میں ایمان وعقیدہ کے ایسے ایسے ڈاکو اور چور ہیں کہ اگر آپ نے اپنے ایمان کی ذرا سی حفاظت کرنی چھوڑ دی تو آپ کی یہ قیمتی دولت لٹ جائے گی، اور اس قیمتی متاع کی جگہ بھیس بدل کر کچھ اور آپ کے پاس آجائے گا، اس لیے کہ آج کل کے جو چور اور ٹھگ ہیں وہ نئے نئے انداز سے آتے ہیں، لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ان کا مقابلہ بھی کرسکیں، ایک صاحب نے ایک علاقہ کا حال بتایا کہ وہاں کوئی بابا آگئے، اور انہوں نے کہا کہ جس کے اولاد نہ ہوتی ہو، وہ فوراً میرے پاس آجائے اور اولاد سے مالا مال ہو جائے، ظاہر ہے آج کل عقیدہ سب ہی کا کمزور ہے، چنانچہ یہاں بھی وہی ہوا اور سب لوگ اس کے پاس بھاگے چلے گئے، اور پھر اس نے سب کو قاعدے سے ٹھگا، کسی سے دو ہزار اور کسی سے ایک ہزار روپئے اینٹھ لیے، پھر وہ وہاں پندرہ بیس دن ٹھہرا اور کسی کو کچھ دے گیا، کسی کو کچھ دے گیا اور یہ بھی کہہ گیا کہ چھ مہینہ میں فائدہ ہوگا، اور لاکھوں روپئے لے کر فرار ہوگیا، اب ظاہر ہے اگر وہاں کے مسلمانوں کا عقیدہ مضبوط ہوتا تو وہ ایسی ڈاکہ زنی سے محفوظ رہتے، اس لیے کہ اولاد کا ہونا یا نہ ہونا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج ہر ایک کا عقیدہ اندر سے کمزور ہوگیا ہے، اسی لیے سب ادھر ادھر بھاگے چلے جارہے ہیں، اگر ہمارا عقیدہ مضبوط ہوتا تو لوگ کہیں نہ جاتے، بلکہ اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتے اور کام بن جاتا، لیکن چونکہ عقیدہ کمزور ہے، اس وجہ سے ہم بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب ہمارا عقیدۂ توحید کمزور ہوگیا، تو ہمارے یہاں مشرکانہ اعمال، مشرکانہ اقوال اور مشرکانہ خیالات داخل ہوگئے، اگر ہم مسلم سماج میں غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ کوئی شخص مشرکانہ بات کہہ رہا ہے، کوئی مشرکانہ عمل کررہا ہے، کوئی مشرکانہ سوچ میں مبتلا ہے۔

مشرک کے متعلق قرآن مجید میں صاف اعلان ہے: ﴿إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُشْرَکَ بِهِ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَشَاءُ﴾

(بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے)

معلوم ہوا یہ ایسا گناہ ہے کہ اس میں یہ عذر ہرگز نہیں چلے گا کہ فلاں نے مجھے سمجھا دیا تھا یا مجھے بالکل خیال نہیں رہا تھا۔ اللہ صاف کہے گا کہ ہمیں پہلے اپنا عقیدہ دکھاؤ، وہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اب اگر آپ سوچیں کہ یہ کہہ دیں گے کہ فلاں بزرگ آئے تھے اور وہ ایسا ایسا بتا رہے تھے، لہٰذا میں نے ان کی بات مان لی تھی، ظاہر ہے ایسے احمقانہ عذر پر یہی ارشاد ہوگا کہ کیا ہم نے تم کو عقل صرف دال چاول کھانے کے لیے دی تھی؟ تم نے ہماری وعید کو کیوں سنجیدگی سے نہیں لیا؟ ہم نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم مشرک کو معاف نہیں کریں گے، سارے انسانو! سن لو، ہم سارے گناہ معاف کر دیں گے، لیکن شرک معاف نہیں کریں گے۔ اس صریح اعلان کے بعد بھی اگر آپ کہیں گے کہ میں نہیں جانتا تھا تو کہا جائے گا کہ تیرے گھر میں قرآن رکھا رہتا تھا، تو نے کبھی کیوں نہیں پڑھا؟ غرض کہ وہاں کوئی بھی حیلہ کام نہ آئے گا، اس لیے خوب سمجھ لیں کہ کبھی کسی کے کہنے سننے میں نہیں آنا ہے، عقیدۂ توحید کا سودا کسی صورت میں گوارہ نہیں کرنا ہے، خواہ تمہارے پاس کوئی کتنا ہی بڑا بزرگ چل کر آئے، کتنا ہی بڑا شیخ بن کر آئے، کتنا ہی بڑا عالم بن کر آئے۔

شرک کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا اعلان ہے: "شفاعتی لمن لا یشرك باللہ شیئا" (میری شفاعت کا حق دار وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر بھی شریک نہ ٹھہراتا ہو)

حضور ﷺ اور قرآن مجید کے صریح اعلان کے بعد حیلہ جوئی کا ہر دروازہ بند ہو گیا، حدیث میں صاف کہہ دیا گیا کہ میں اسی کی سفارش کروں گا جو شرک نہ کرے، اس سے پتہ چلا کہ مشرک کو نبی ﷺ کی سفارش بھی نصیب نہیں ہوگی، خواہ وہ معمولی درجہ ہی کا مشرک ہو، اس لیے ہم سب کو شرک سے بچنے کی بہت ضرورت ہے۔ مشرک کے اچھے اعمال بھی قبول نہ ہونے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہم میں سے کسی شخص کا بینک میں کھاتہ نہ ہو تو وہ بینک میں رقم جمع نہیں کر سکتا، ٹھیک اسی طرح جس کا عقیدۂ توحید درست نہیں ہے اور ذرہ برابر بھی اس کے اندر شرک پایا جاتا ہے تو وہ خواہ کتنے ہی اچھے اعمال کرے، اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

دوسری چیز جو مسلم سماج میں بہت کمزور ہو چکی ہے، وہ ہے اخلاص کا فقدان، آج ہمارے یہاں اخلاص بھی ختم ہوتا جا رہا ہے، آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں، اس کو یا تو بری نیت سے کرتے ہیں یا ہم بے نیت ہوتے ہیں، کوئی خیر کا کام ہے جو ہم بہت اچھے طریقہ سے کر رہے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس میں نیت ہی نہیں ہوتی، جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کام بغیر نیت کے ہو وہ مقبول نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں خالص کام قبول ہوتا ہے، یعنی ملاوٹ نہیں چلتی، اور ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے یہاں ملاوٹ کر کے ہمارا کام چل جائے گا، خدا کے یہاں بھی ملاوٹ چل جائے گی، ایسا نہیں ہے، جب آپ دنیا میں مصنوعی آلات سے پتہ کر لیتے ہیں کہ دودھ میں کتنا دودھ ہے اور کتنا پانی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ سے کیا چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے، اس کے آلات پوری کائنات میں لگے ہوئے ہیں، جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے، وہاں سب کیچ ہو رہا ہے اور چیک بھی ہو رہا ہے کہ کس کا عمل کتنا خالص ہے اور کتنی ملاوٹ والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اعمال سے تاثیر ختم ہوتی جا رہی ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ اب خیر کے کام میں تاثیر نہیں رہی، اس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام ہی نہیں ہو رہا ہے، بلکہ ہم سب لوگ اپنے لیے کام کر رہے ہیں۔

تیسری چیز جو بہت کمزور ہو چکی ہے، وہ ہے جذبۂ خدمت، اس وقت مسلمانوں سے خدمت کا جذبہ بھی ختم ہو گیا ہے، یہاں تک کہ ہمارے دیندار طبقہ سے بھی یہ جذبہ رخصت ہو چکا ہے، ظاہر ہے جب دیندار طبقہ کا یہ حال ہے تو بددین طبقہ کا حال یقیناً مزید برا ہوگا، آج ہمارے دیندار طبقہ والے جو بڑے بڑے افسر ہیں، ان کے بیٹے جو بڑے بڑے ڈگری ہولڈرس ہیں اور باہر کما رہے ہیں، اور وہاں اطمینان کے ساتھ رہ رہے ہیں، ان کے والد یہاں راضی ہیں اور وہ وہاں خوش ہیں کہ ہم یہاں ہیں، بے چارے دو بوڑھے ماں باپ یہاں پڑے ہوئے ہیں، اور بیٹے صاحب وہاں پڑے ہوئے ہیں، صرف اس لیے کہ زیادہ کمائیں، اور اس کے مقابل والدین کی خدمت بالائے طاق رکھ دی گئی، جب کہ معلوم ہونا چاہیے کہ خدمت سے جنت ملتی ہے، کہا گیا ہے کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اف بھی نہ کہو، لیکن یہاں حال بالکل برعکس ہے۔

عامل توریت نہ کہ حامل توریت

عبدالسبحان ناخداندوی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ٦٣)

(اور جب ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا اور کوہ طور کو تمہارے اوپر اٹھا دیا، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے پوری طاقت کے ساتھ لو، اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ)

بنی اسرائیل کی لاپرواہی کے پیش نظر خدائے ذوالجلال کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ اپنے کلام کی عظمت کا سکہ اس کے قلوب میں بٹھایا جائے، قوم کا مزاج احکام الٰہی کو سنجیدگی سے لینے کا نہیں تھا، اس لیے اللہ نے جب توریت عطا فرمائی تو اس کی حیثیت، عظمت، وقعت اور انتہائی بلند مقام کو اجاگر کرنے کے لیے اللہ نے پہاڑ کو اکھاڑ کر اس کے سروں پر سائبان کی طرح معلق کردیا اور یہ بات ارشاد فرمائی کہ اس کتاب کو انتہائی مضبوطی سے تھامے رہنا ورنہ یہ جگہ ابھی تمہارا مدفن بن جائے گی، اب تک بنی اسرائیل نے اپنے حق میں اللہ کی رحمت کی نشانیاں دیکھیں تھیں، چاہے سمندر کا پھٹنا ہو یا من وسلوی کا نزول، ابر کا سایہ کرنا ہو یا پھر پتھر سے چشموں کا جاری ہونا ہو، چونکہ انسان شکر واحسان کے راستے اللہ کے قریب پہنچتا ہے یا پھر غور وفکر کے ذریعہ، یہاں بنی اسرائیل کے پاس ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر دونوں باتیں مفقود تھیں، ایسی صورت میں ایک تیسرا راستہ طاقت وقوت کا بھی ہوتا ہے، جسے دیکھنے کے بعد انسان پر خاص رعب طاری ہوتا ہے، اللہ کی طرف سے اس کی طاقت کی انتہائی ہلکی سی جھلک دکھائی گئی تاکہ بے فکری کے ماحول میں سنجیدگی کی فضا پیدا ہوجائے، یقینی بات ہے کہ اس سے ان کے دل دہل گئے ہوں گے، اور توریت کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ ہوگیا ہوگا، دوسری طرف آپ ﷺ کے اصحاب کے بارے میں قرآن نے اس کی گواہی دی ہے، اس کلام سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ یہ پرسکون ہوکر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، ارشاد ہے: ”اللہ نے نہایت بہترین بات اتاری ہے، ایسی کتاب جس کی آیات ملتی جلتی ہیں، بار بار دہرائے جانے والی، اس سے خوف خدا رکھنے والوں کے بدن پر لرزہ طاری ہوتا ہے، پھر ان کے دل اور بدن دونوں نرم ہوکر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔“

اس لیے اللہ رب العزت نے قرآن کریم کے تعلق سے صرف بتانے پر اکتفاء کیا کہ اسے اگر ہم پہاڑ پر نازل کردیں تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہوکر مارے خوف کے چکنا چور ہوجائے؛ ارشاد الٰہی ہے: ”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اسے دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے، ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔“

صحابہ کے قلوب نرم تھے، اس لیے بات بتادی گئی تو ان پر کیفیت طاری ہوگئی، بنی اسرائیل کے قلوب سخت ہوچکے تھے، اس لیے عملاً ایک کیفیت دکھائی گئی، پھر بھی اس طرح ان کے دل نہیں پسیجے، جس طرح صحابہ کے قلوب آیات کے سنتے ہی پسیج جاتے تھے۔

رفعنا فوقکم؛ آیت کا صاف مطلب یہی ہے کہ طور پہاڑ کو تمہارے اوپر اٹھا دیا، اور یہ اللہ کی طرف سے خاص معجزہ تھا، سورۂ اعراف کی آیت اس کی پوری وضاحت کرتی ہے؛

﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

(اور جب ہم نے پہاڑ کو اکھاڑ کر ان کے اوپر کردیا جیسے وہ کوئی سائبان ہو اور ان کو یہ گمان ہونے لگا کہ بس پہاڑ ان پر گر ہی پڑے گا، جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھامے رہو اور اس میں جو بھی ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ)

ایسی تمام آیات جو معجزانہ شان کو بتاتی ہیں ان کی ایسی تاویل کرنا جس سے اس میں بیان کردہ معجزانہ کیفیت کا انکار محسوس ہو یا نہایت شرمندہ شرمندہ اسے قبول کرنے کا انداز ظاہر ہو، بیمار ذہنیت کی علامت ہے، جو اللہ سمندر پھاڑ سکتا ہے وہ پہاڑ بھی اٹھوا سکتا ہے، یہ واقعہ بظاہر حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی ہی میں پیش آیا ہوا لگتا ہے، گرچہ اس کی صراحت قرآن کریم میں نہیں ہے، لیکن انداز یہی

بتلا رہا ہے، چونکہ توریت کی عظمت کا اظہار ہو رہا ہے، اس لیے حضرت موسی کے دور میں پیش آنا ہی قرین قیاس لگتا ہے، اس لیے کہ توریت آپ پر نازل ہوئی، اس سے خود حضرت موسی کی اہمیت اور عنداللہ ان کا مقام بھی معلوم ہوتا ہے۔

الطور؛ مطلق پہاڑ کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے، اور جزیرہ نما سینا کے اس خاص پہاڑ یا پہاڑی سلسلہ کو بتانے کے لیے بھی یہ لفظ آتا ہے، جہاں حضرت موسی کو نبوت، شریعت اور کتاب ہدایت عطا ہوئی تھی۔ طور کو اٹھانے کا مطلب اس پہاڑ یا پہاڑی سلسلہ کے کسی بھی حصہ کو اکھاڑ کر ان کے سر پر معلق کرنا ہے، چونکہ پہاڑ ان پر گرانا منظور نہیں تھا اس لیے دوبارہ وہ حصہ وہیں گاڑ دیا گیا ہوگا، جہاں سے اسے اکھاڑا گیا تھا۔ لوگوں نے اس آیت میں یہ مسئلہ چھیڑا ہے کہ کسی کو مجبور کر کے پابند کرنا تو صحیح نہیں ہے، یہ تکلیف مالا یطاق میں شامل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کو مجبور کرنے اور کسی پر ناممکن بوجھ لادنے میں فرق ہے، اس مبارک آیت میں ناممکن بوجھ لادنے کی بات نہیں ہے، کیونکہ توریت پر عمل کرنا ممکن تھا، لہٰذا وہ مسئلہ یہاں سرے سے زیر بحث نہیں ہے، رہا یہ مسئلہ کہ کسی کو کسی کام پر مجبور کرنا بھی تو شان الٰہی نہیں ہے، پھر یہاں یہ کام کس وجہ سے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کام پر مجبور نہیں کیا جا رہا ہے، بلکہ کام کے وعدے پر ایک لحاظ سے مجبور کیا گیا، دونوں میں فرق ہے، کام کرنے نہ کرنے کی آزادی تو پھر بھی رکھی گئی ہے، بس ایک خاص انداز سے پابند عہد کیا گیا، اس میں بھی ان کو مجبور کرنے کے مقابلہ میں اپنی کتاب کی عظمتِ شان دکھانی مقصود تھی، موسیؑ کا بھی اس معجزہ کے ذریعہ اعزاز مقصود تھا کہ لوگ یقین کر لیں کہ واقعی یہ کتاب حضرت موسیؑ کو اللہ کی طرف سے ملی ہے، ویسے بھی اللہ کے دین میں داخل ہونے کے بعد بہت سارے کاموں کی پابندی لازم ہوتی ہے، جن کے نہ کرنے پر فوری سزائیں بھی مقرر ہیں، تمام جرائم کی سزائیں متعین ہیں، اسی طرح عبادات میں نمازیں ترک کرنے والے کے لیے قتل یا قید کی سزا بھی ہے، دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارنے تک کا حکم ہے، دین کو قبول کرنے اور دینی نظام کا حصہ بننے کے بعد ایسی پابندیوں کو اکراہ (مجبور کرنا) نہیں کہتے ہیں بلکہ تکلیف و الزام (پابند کرنا اور لازم کرنا) کہتے ہیں، ایسی صورت میں کام نہ کرنے پر سزا ملتی ہے، اور کبھی ٹال مٹول کرنے پر دھمکی دی جاتی ہے، بنی اسرائیل نے جب ٹال مٹول سے کام لیا تب ان کے لیے دھمکی آمیز انداز اختیار کیا گیا، جس میں کوئی شرعی اصول نہیں ٹوٹ رہا ہے۔

خذوا ما آتیناکم بقوۃ: کتاب الٰہی کا پہلا حق ہے کہ اسے انسان بخوشی قبول کرے، "خذوا" سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، دوسرا حق یہ ہے کہ اسے مضبوطی سے تھامے رہے، یعنی اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی چیز کو بے تکلف رد کر دے، گویا محبت اور اعتماد دونوں باتیں جمع ہوں۔

واذکروا ما فیه؛ تیسرا حق یہ ہے اس پر عمل کرے، اور اس کی حفاظت کرتا رہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔

لعلکم تتقون؛ یہ تمام اوصاف جمع ہوں تو تقوی کی لازوال دولت نصیب ہوتی ہے، دل میں نرمی و گداز پیدا ہوتا ہے، اچھی باتیں دل میں اترتی ہیں، غلط کاموں سے نفرت پیدا ہوتی ہے، انسان صاحب عزم بنتا ہے، محبت، قدردانی، اعتماد، عمل اور حفاظت و اشاعت، تعلیم و تعلم، کلام الٰہی کے یہ تمام تقاضے اس مبارک آیت میں موجود ہیں۔ "اذکروا" کا مطلب یاد کرنا، یاد رکھنا اور بیان کرنا ہے، لہٰذا اس میں حفاظت، اشاعت اور دعوت کے تمام پہلو سمٹ آئے، اس کے مقابلہ میں اگر کتاب الٰہی کی ناقدری کی بنا پر اسے طویل عرصہ تک چھوڑ دیا گیا تو پھر دل میں سختی اور قساوت کا پیدا ہونا لازمی ہے، جس کے بعد انسان نرا فاسق بن کر رہ جاتا ہے، ارشاد ہے کہ "اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تو ان پر ایک طویل عرصہ گذر گیا (کتاب کو چھوڑے ہوئے) تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں اکثریت فاسقوں کی تھی۔"

لعلکم تتقون؛ یہ ٹکڑا مقصد علم کو واضح کرتا ہے، انسان اگر صحیح علم پا کر بھی خوف خدا سے محروم رہے تو یہ اس کی محرومی ہے، یہود عالم توریت بنے لیکن حامل توریت نہ بن سکے، علم، عمل اور خشیت سے انسان حامل کتاب بنتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی چیز کی قدر و قیمت کا احساس اس کی حفاظت کا محرک بنتا ہے، یہود ناقدری کے مرتکب ہوئے، اس لیے اپنی کتاب کی حفاظت نہ کر سکے، پھر یہی ناقدری ان کو بے عمل بنا گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوف خدا سے ان کا دامن بلکہ دل خالی ہوتا چلا گیا۔

عشرۂ ذی الحجہ اور قربانی کے احکام

مفتی راشد حسین ندوی

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل: جس طرح رمضان کے مہینہ کے بے شمار فضائل کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں، اسی طرح عشرۂ ذی الحجہ کے بھی کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، قرآن مجید میں دس راتوں کی قسم کھائی گئی ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ اگر کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو اس سے اس کی اہمیت بتلانا مقصود ہوتا ہے، اس کے علاوہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی دن ایسے نہیں ہیں جن میں نیک کام کرنا (عشرۂ ذی الحجہ کے) ان دس دنوں سے زیادہ اللہ کو محبوب ہو، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے راستہ میں جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد بھی نہیں، سوائے اس شخص کے جو اپنا جان اور مال لے کر نکلا ہو اور ان دونوں میں سے کوئی بھی چیز لے کر نہ لوٹا ہو۔

اسی طرح ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عشرۂ ذی الحجہ کے مقابلہ میں سال کے کوئی ایام بھی ایسے نہیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کو عبادت زیادہ پسند ہو، اس کے ایک دن کا روزہ ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی نے حدیث کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے)

خاص طور سے ان ایام میں عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کا روزہ غیر حاجیوں کے لیے بڑی فضیلت والا ہے، چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابو قتادہؓ کی طویل حدیث نقل کی گئی ہے، جس میں یہ جملہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یوم عرفہ کے روزہ کے بارے میں مجھے اللہ سے امید ہے کہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے لیے گناہوں سے کفارہ بنے گا۔

تکبیر تشریق: یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے لے کر تیرہویں تاریخ کی عصر تک ایک مرتبہ تکبیر تشریق بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے، خواہ جماعت سے نماز پڑھے یا انفرادی طور پر اور خواہ مقیم ہو یا مسافر، یہ تکبیر پڑھنا عورتوں پر بھی واجب ہے لیکن وہ آہستہ آواز سے تکبیر پڑھیں گی۔ (فتاوی ہندیہ: ۱/۱۵۲، شامی: ۱/۶۱۹)

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یوم عرفہ کی صبح کو جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو صحابہ کی طرف رخ کرتے اور فرماتے: اپنی جگہ پر رہو اور پڑھتے:

"الله أكبر الله أكبر لا اله الا الله و الله أكبر الله أكبر و لله الحمد. (سنن دار قطني، باب العيدين)

قربانی کی فضیلت: قربانی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہما السلام کے عظیم عمل کی یادگار ہے، ان کا قصہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور معروف ومشہور ہے، اللہ کو ان کا عمل بہت پسند آیا اور اس کی یاد کو قیامت تک باقی رکھنے کے لیے امت محمدیہ پر قیامت تک کے لیے قربانی کو واجب قرار دیا، چنانچہ ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت زید بن ارقمؓ کے حوالہ سے حدیث وارد ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی۔

قربانی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی عمل قربانی سے زیادہ محبوب نہیں ہوتا، چنانچہ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ کا فرمان منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: قربانی کے دن قربانی کے مقابلہ میں آدم کے بیٹے کا کوئی بھی عمل اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے، قیامت کے دن وہ جانور کی سینگ، بال اور کھروں کو لے کر آئے گا، اور خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے یہاں مقبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا تم اس کو خوش دلی سے کیا کرو۔

قربانی کا وجوب: احناف کے نزدیک جب وجوب کی

شرائط پائی جائیں تو قربانی واجب ہو جاتی ہے، چنانچہ مستدرک حاکم میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو خوشحالی کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ نہ آئے۔ ظاہر ہے اس طرح کی تاکید واجب ہی کے لیے ہو سکتی ہے۔

وجوب کی شرائط: قربانی اسی وقت واجب ہوتی ہے جب مندرجہ ذیل تین شرطیں پائی جائیں:

۱-مسلمان ہو، غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔ ۲-ایام قربانی میں مقیم ہو، خواہ اپنے وطن میں ہو، خواہ کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے لیے مقیم ہو، چنانچہ حالت سفر میں قربانی واجب نہیں ہوتی۔ ۳-ایام قربانی میں صاحب نصاب ہو، یعنی دوسو درہم چاندی (جو ۶۱۲ر گرام ۳۶۰ رملی گرام) کے بقدر ہوتی ہے) یا ۲۰ر مثقال سونا (جو ۸۷ر گرام ۴۸۰ رملی گرام) کے بقدر ہوتا ہے، یا ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کے بقدر روپیہ پیسہ یا مال تجارت ہو، زکوۃ میں بھی اتنی مالیت کا مالک ہونے پر صاحب نصاب قرار پاتا ہے، لیکن قربانی اور زکوۃ کے صاحب نصاب میں دو چیزوں میں فرق ہوتا ہے، ایک یہ کہ زکوۃ میں مال پر سال گزرنا شرط ہے، جب کہ قربانی کے وجوب کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ایام قربانی میں مذکورہ مالیت کا مالک ہو، سال گزرا ہو یا نہ گزرا ہو، دوسرا فرق یہ ہے کہ زکوۃ تبھی فرض ہوتی ہے جب مال ''نامی'' (بڑھنے والا مال) کا مالک ہو، یہ شرط قربانی کے وجوب کے لیے نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس حاجت اصلیہ سے زیادہ جائیداد ہو تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی، لیکن قربانی واجب ہو جائے گی، مثلاً ایک مکان ہو جس میں رہتا ہو تو وہ حاجت اصلیہ میں لگا ہوا ہے، لہٰذا نہ زکوۃ واجب ہوگی نہ قربانی، لیکن اگر ایک مکان اور ہو جو کرایہ پر رکھایا ہوا ہے یا خالی پڑا ہے، اور اس کی مالیت نصاب تک پہنچ رہی ہے تو قربانی واجب ہو جائے گی، لیکن زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ جائیداد مال نامی نہیں ہے۔ (شامی: ۲۱۹/۵، ہندیہ: ۲۹۲/۵)

قربانی کے ایام: احناف کے نزدیک ایام قربانی تین دن ہیں یعنی دس گیارہ اور بارہ ذی الحجہ، اس کا وقت ۱۰ر ذی الحجہ کو طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، اور ۱۲ر ذی الحجہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، لیکن جن شہروں قصبوں اور بستیوں میں نماز عید ہوتی ہے، ان میں عید کی نماز سے پہلے قربانی صحیح نہیں ہوتی، اس لیے کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت میں حضرت جندبؓ بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔

البتہ جہاں نماز عیدین کی شرائط نہیں پائی جاتی ہیں اور عید کی نماز نہیں ہوتی ہے، وہاں طلوع فجر ہوتے ہی قربانی کی جا سکتی ہے، شہر والے بھی ایسے دیہات میں جانور بھیج دیں تو قربانی طلوع فجر کے بعد ہی صحیح ہو جائے گی، اس لیے کہ یہاں اعتبار اس جگہ کا کیا جاتا ہے، جہاں جانور موجود ہے۔

(شامی: ۲۱۹/۵-۲۲۳-۲۲۴، ہندیہ: ۲۹۵/۵)

ان تین دنوں میں پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔ (ایضاً)

ان تین دنوں میں رات اور دن میں کسی وقت بھی قربانی کر سکتا ہے، لیکن رات میں چونکہ اس کا خطرہ ہوتا ہے کہ تمام رگیں اچھی طرح نہ کٹ سکیں، اس لیے فقہاء نے رات میں قربانی کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اگر روشنی کا معقول انتظام ہو اور اس طرح کا کوئی خطرہ نہ ہو تو رات کو بھی بلا کراہت قربانی کی جا سکتی ہے، لیکن ذہن میں رہنا چاہیے کہ رات سے مراد دس اور گیارہ نیز گیارہ اور بارہ تاریخ کی درمیانی دو راتیں ہیں۔

(شامی: ۲۲/۵-۲۲۵، ہندیہ: ۲۹۵/۵)

جب عید کی نماز نہ ہو سکے: اگر نماز عید پہلے دن کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو سکے، مثلاً چاند کی شہادت زوال کے وقت ملی یا اتنی تیز بارش ہوئی کہ نماز عید پڑھنا ممکن نہ تھا تو نماز عید دوسرے دن پڑھی جائے گی، اس لیے کہ اس کا وقت زوال سے پہلے ہی تک رہتا ہے، لیکن قربانی زوال بعد کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف فرقہ وارانہ فساد اور کرفیو کی وجہ سے نماز عید نہ ہو سکے تو طلوع فجر کے بعد زوال سے پہلے بھی قربانی کی جا سکتی ہے، اگرچہ افضل یہی ہے کہ زوال کے بعد قربانی کرے۔ (شامی: ۲۲۴/۵، ہندیہ: ۲۹۵/۵)

جب شہر میں نماز عید کئی جگہ ہوتی ہو: آج کل شہروں میں کئی جگہ عیدین کی نماز ہوتی ہے، عیدگاہوں میں بھی ہوتی ہے اور مختلف مساجد میں بھی ہوتی ہے، تو اگر کسی ایک جگہ نماز ہو جائے تو پورے شہر والوں کے لیے قربانی کرنا صحیح

ہوجائے گا، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ خود پڑھنے کے بعد اور عیدگاہ میں نماز ہوجانے کے بعد قربانی کرے۔

(بدائع: ۴/ ۲۱۱-۲۱۲، ہندیہ: ۵/ ۲۹۵-۲۹۶، فتاوی رحیمیہ: ۶/ ۱۸۰، کتاب المسائل: ۲/ ۲۱۶-۲۱۷)

دوسری جگہ قربانی کرانا: جہاں پر ایک شخص مقیم ہے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قربانی کرانا جائز ہے، چاہے مقصد یہ ہو کہ قربانی کم رقم میں ہوجائے، اور چاہے اس کے گھر کے دوسرے افراد وہاں موجود ہوں اور وہ چاہتا ہو کہ اس کی قربانی کے جانور سے وہ فائدہ اٹھائیں اور چاہے مقصد کسی مدرسہ اور ادارہ کی مدد ہو کہ وہاں قربانی کرانے پر ان کو کھال حاصل ہوجائے گی، اس صورت میں جہاں جانور ذبح کرنا ہے، وہاں کے ایام اور اوقات کا خیال رکھنا ضروری ہے، مثلاً ممبئی والے نے لکھنؤ میں قربانی کرائی تو لکھنؤ میں نمازِ عید ہوجانے کے بعد قربانی کرائی جائے گی، ممبئی میں نماز ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، یہی معاملہ ایام کا بھی ہوگا، جہاں جانور ہے وہاں ایامِ قربانی ہونا چاہیے۔ (ہندیہ: ۵/ ۲۹۶)

البتہ فقہ اکیڈمی کی تجاویز میں ہے کہ جس شخص کی طرف سے قربانی کرائی جارہی ہے، اگر اس کے یہاں دس ذی الحجہ شروع نہیں ہوئی تو اس کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی، اگرچہ قربانی کیے جانے کے مقام پر اس دن دس ذی الحجہ ہو، لہٰذا الگ قربانی کرانے میں اس تجویز کا خیال رکھنا چاہیے۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

جس جانور کی قربانی کرنا ہو اس کو تمام عیوب سے خالی ہونا چاہیے، البتہ اگر معمولی عیب ہو تو قربانی صحیح ہوجائے گی۔

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: ”قربانی کے جانور میں کن عیوب سے بچنا چاہیے؟ تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے چار کا اشارہ کرکے فرمایا: ”(۱) وہ لنگڑا جانور جس کا لنگ ظاہر ہو، (۲) وہ کانا جانور جس کا یک چشم ہونا ظاہر ہو، (۳) وہ بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو، (۴) لاغر جانور جس کے ’گودا ہی نہ ہو‘ (ترمذی)

انھیں احادیث کے پیشِ نظر فقہاء نے عیوب کے سلسلہ میں مندرجۂ ذیل تفصیلات بیان فرمائی ہیں:-

۱- جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

۲- جس جانور کا ایک کان تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے، اس سے کم کٹا ہو تو قربانی کی جاسکتی ہے۔

۳- جس جانور کی دُم تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔

۴- جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ صرف تین پیروں سے چلتا ہے؛ چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہیں ہے، یا رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے، اور چلنے میں اس پر کچھ بوجھ ڈالتا ہے لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

۵- اگر جانور بالکل لاغر اور مریل ہے، اس کی ہڈیوں تک میں گودا نہیں بچا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، لیکن اگر اس حد تک لاغر نہیں ہے تو افضل تو بہرحال فربہ جانور کی قربانی کرنا ہے- جیسا کہ گزر چکا ہے- لیکن بہرحال اس جانور کی بھی قربانی درست ہے۔

۶- جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں ہے، اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جتنے گرے ہیں ان سے زیادہ موجود ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۷- جس جانور کے پیدائشی طور پر ہی کان نہیں ہیں اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے، البتہ اگر کان ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۸- جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہیں ہیں، یا پیدائشی طور پر تھے لیکن بعد میں ٹوٹ گئے تو اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔

۹- جس طرح غیر خصّی جانور کی قربانی جائز ہے اسی طرح خصّی جانور کی بھی قربانی جائز ہے؛ اس لیے کہ خصّی ہونا کوئی عیب نہیں ہے اس سے تو اس کے گوشت کی لذت بڑھ جاتی ہے، اور حدیث شریف میں صراحت کے سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو خصّی بکروں کی قربانی کی۔ البتہ جس جانور کا نر یا مادہ ہونا واضح نہ ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

۱۰- خارش زدہ جانور کی قربانی بھی درست ہے، البتہ اس سے اگر اتنا لاغر ہو گیا جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک شام کا پہلا سفر

محمد ارمغان بدایونی ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا، یہ سفر محض تجارتی تجربات سے واقفیت حاصل کرنے کی حد تک تھا، اس سفر میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی طور پر تجارت میں شرکت ثابت نہیں ہے، بلکہ قریش کے ایک تجارتی قافلہ میں شفیق چچا کے ساتھ نکلنا ثابت ہے، جس میں بعض بڑے حیرت انگیز حقائق سامنے آئے، جن کو سن اور دیکھ کر قریش حیران رہ گئے اور جو رہتی دنیا تک اصحابِ سیر کا موضوع بھی بنے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے سفر شام سے متعلق روایات کی متعدد کڑیاں ہیں، ہم نے ذیل میں مراجع سیرت کی روشنی میں ان تمام روایات کی کڑیوں کو مربوط کرنے کی کوشش کی ہے:

مشہور بات ہے کہ موسم گرما میں قریش مکہ ملک شام کا تجارتی سفر کرتے تھے، اس سفر میں مختلف قسم کے تجار اپنا مال تجارت لے کر نکلتے تھے، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ابو طالب بھی قریش کی روایت کے مطابق شام کے لیے پابہ رکاب ہوئے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک نو یا بعض روایات کے مطابق بارہ برس کی تھی، اور یتیمی و بے سر وسامانی کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل کائنات شفیق چچا ہی تھے، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی مناسبت تھی، چچا کا یہ طویل تجارتی سفر اور ایک لمبے عرصہ تک چچا اور بھتیجے کی جدائی یقیناً دونوں ہی کے لیے باعث رنج تھی، لیکن ایک طویل تجارتی مشاغل سے پُر سفر میں ایک چھوٹے بچہ کی رفاقت مناسب نہ تھی، اس لیے تمام مصائب سے حفاظت کی خاطر چچا نے بھتیجے کو سفر میں ساتھ نہ لے جانے ہی کا فیصلہ کیا، لیکن جب روانگی کا وقت قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جدائی کو برداشت نہ کر سکے اور چچا سے پھوٹ پھوٹ کر اور لپٹ لپٹ کر روئے، اور چچا کی سواری کی زمام پکڑ کر معصومانہ لہجہ میں یوں گویا ہوئے: ''اے چچا جان! نہ میری ماں ہے، نہ میرے باپ ہیں، آپ مجھے یہاں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' ان رقت آمیز الفاظ پر چچا ابو طالب کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا اور اپنے بھتیجے کو بھی ساتھ لے لیا۔

قریش کا تجارتی قافلہ مختلف جگہوں پر پڑاؤ ڈالتا ہوا منزل کی جانب رواں دواں رہا، حتی کہ شام کے قریبی شہر بصری تک قافلہ پہنچ گیا اور شہر کے مضافات میں پڑاؤ ڈالا، یہ جگہ مذہبی اور اقتصادی لحاظ سے بہت اہم تھی، اس لیے قریش کے تجارتی قافلے اکثر یہاں قیام کرتے تھے، اُس زمانہ میں بصری ایک عظیم تجارتی منڈی تھا، جہاں دور دور سے لوگ آ کر اپنا مال فروخت کرتے تھے، اور اسی زمانہ میں مسیحی دعاۃ کی تحریک بھی زوروں پر تھی، جو کہ اپنی خانقاہیں اہم مراکز میں قائم کرتے تھے، انہیں تمام وجوہات کی بنا پر قریش کا یہ مؤقر قافلہ بھی اس علاقہ میں فروکش ہوا کہ قریش کو مذہب اور تجارت دونوں ہی سے تعلق تھا۔

قریش نے جس جگہ قیام کیا تھا، اسی کے قریب میں ایک راہب کی خانقاہ بھی تھی، جس کا نام جرجیس اور لقب بحیرا تھا، یہ مسیحی راہب نہایت خشک مزاج تھا، اور اپنی خانقاہ کے آس پاس قیام پذیر قافلوں سے کبھی ملاقات کا روادار نہ تھا، لیکن عوام کے دلوں میں اس کا احترام موجود تھا، اس لیے کہ یہ راہب مسیحی مذہب کا جید عالم تھا اور راہبانہ زندگی گذارتا تھا، اس شخص نے کتب سماویہ میں آخری نبی کی علامات کا مطالعہ کیا تھا، اور اس کے ذہن میں وہ نقشہ بھی قائم تھا، نیز اہل کتاب میں آخری نبی کی بعثت کے متعلق ایک عام تصور سینہ بہ سینہ چلا آ رہا تھا، البتہ جو لوگ آسمانی کتابوں کے عالم تھے وہ باقاعدہ علامات نبوت کے ساتھ آخری نبی کی بعثت کا علم رکھتے تھے۔

قریش کا قافلہ جب قیام کی غرض سے اس راہب کے علاقہ کی طرف بڑھا تو راہب نے اپنی خانقاہ سے اس مبارک قافلہ کی آمد کا جو منظر دیکھا، اس سے وہ بے تاب ہو گیا، اس نے دیکھا کہ اس قافلہ میں ایک معصوم عمر کا بچہ ہے، جس پر ابر سائبان ہے، درخت کی ٹہنیاں اس کے احترام میں جھکی جا رہی ہیں، اور اثنائے راہ تمام شجر و حجر اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ یہ حسین منظر دیکھ کر بحیرا راہب اپنی خانقاہ سے باہر نکلا اور قریش کے قافلہ کا پرتپاک استقبال کیا، اور دریافت کیا کہ اس چھوٹے بچہ کا کفیل کون ہے؟ ابو طالب نے جواب دیا: میں کفیل ہوں۔ بحیرا نے کہا: یہ بچہ تمام جہانوں کا سردار ہے، یہ تمام جہانوں کے پروردگار کا پیغمبر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔

بحیرا راہب کے ان الفاظ کو سن کر قریش دنگ رہ گئے، اور معلوم کیا کہ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟ بحیرا نے تمام حضرات کو وہ پورا منظر سنایا جو اس نے دیکھا تھا، اور اپنی مسیحی تعلیمات وعقائد کی روشنی میں بتایا کہ یہ شان صرف اور صرف نبی مرسل ہی کی ہے، اس کے علاوہ شجر و حجر کسی کو سجدہ نہیں کرتے، قریش مکہ نے راہب کی یہ باتیں سن کر اور ولادت نبوی ﷺ سے لے کر اب تک کے تمام پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں یقیناً فخر محسوس کیا ہوگا، لیکن شاید ابھی اس حقیقت تک ان کی رسائی نہ ہوسکی تھی کہ ایک دن اپنی قبائلی عصبیت کی بنا پر اسی مبارک بچہ کے ہم دشمن بن جائیں گے۔

اس مختصر گفت وشنید کے بعد بحیرا راہب اور قریش میں الفت کا بڑھنا یقینی تھا، چنانچہ راہب نے قریش کے پورے تجارتی قافلہ کی ایک عظیم الشان دعوت کی، لیکن جب دسترخوان لگا تو حضور ﷺ موجود نہ تھے، جن کے طفیل یہ سب نوازشیں ہورہی تھیں، چنانچہ جب تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کم سن محمد ﷺ قافلہ کے اونٹ چرانے جنگل نکل گئے تھے اور آنے میں تاخیر ہوگئی۔ دعوت طعام سے فراغت کے بعد راہب حضور ﷺ سے ہم کلام ہوا اور قریش ہی کی زبان میں گفتگو کرنے کی کوشش کی، اسی لیے اس نے اپنی بات لات و عزیٰ کا واسطہ دے کر شروع کی، جس پر حضور ﷺ نے نقد فرمایا اور کہا: مجھے جتنی ان بتوں سے نفرت ہے اتنی کسی چیز سے نہیں ہے، تم ان کو واسطہ نہ بناؤ البتہ جو سوالات کرنا ہیں وہ کرسکتے ہو، چنانچہ بحیرا نے آپ ﷺ کے سونے، جاگنے، چلنے پھرنے اور دیگر معمولات زندگی کے متعلق سوال کیے، جن کا جواب کھلے بندوں آنحضرت ﷺ نے نہایت متانت کے ساتھ دیا، اس کے بعد بحیرا نے حضور ﷺ کے شانہ مبارک پر مہر نبوت بھی ملاحظہ کی، جس سے اس کا خیال مزید پختہ ہوگیا۔ اور بحیرا راہب نے چچا ابو طالب سے انتہائی ناصحانہ انداز میں کہا: آپ اپنے بھتیجے کو یہیں سے واپس لے جائیں اور یہود سے چوکنا رہیں، اگر ان کو اس غیر معمولی ہونہار فرزند کا علم ہوگیا تو وہ یقیناً کچھ برا کر بیٹھیں گے، چنانچہ ابو طالب اپنے تجارتی سفر کو سمیٹتے ہوئے جلد ہی بھتیجے کے ساتھ مکہ واپس ہوگئے۔

سنن ترمذی کی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ ابھی بحیرا راہب اپنی گفتگو سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ روم کے سات یہودی راہب کی طرف سے گذرے، جب راہب نے ان سے آنے کی غرض معلوم کی تو انہوں نے جواب دیا: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ عنقریب ہی ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، جو اس ماہ ہمارے علاقہ کا سفر بھی کرے گا، اسی کی تلاش میں ہر راہ پر ہم نے اپنے آدمی بھیج رکھے ہیں۔ بحیرا راہب نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا: تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ نے اس کی بعثت کا فیصلہ کرلیا ہے تو کیا تم اس کو ٹال سکتے ہو؟ انہوں نے جواب نفی میں دیا، بحیرا نے پھر اس نے ان کو سمجھایا اور اس حرکت سے باز رہنے کو کہا، اور ابو طالب کو خدا کا واسطہ دیتے ہوئے بھتیجے کو جلد از جلد واپس لے جانے کا مشورہ دیا۔ بحیرا نے رخصتی کے وقت توشہ زاد بھی ساتھ دیا۔

یہ واقعہ قبل بعثت پیش آیا ہے، جس کی وجہ سے اس پورے واقعہ کی صحت اور اس کی مختلف جزئیات میں اہل علم کا شدید اختلاف رہا ہے، بعض حضرات نے اس واقعہ کے خلاف دسیوں عقلانی بحثیں کی ہیں اور بعض نے روایت و درایت دونوں کی میزان میں اسے مسترد قرار دیا ہے، تاہم یہ واقعہ مستشرقین کے لیے بھی ضیافت طبع کا سامان بنا ہے، جنہوں نے بحیرا راہب کی ملاقات کو دین محمدی ﷺ کی اساس گردانا ہے، اور اس کے ثبوت میں زمین و آسمان کے قلابے ملادیے ہیں، ایک فرانسیسی مستشرق (Carra De Veaux) نے اسی عنوان پر مستقل کتاب بھی تصنیف کی ہے، کتاب کا نام ہے؛ (On Bahira the author of the Quran) اس کتاب میں صرف یہی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضور ﷺ کا قرآنی ماخذ بحیرا راہب سے وہ ملاقات تھی جو انہوں نے بارہ برس کی عمر میں کی تھی، جب کہ عقل کی باتوں پر سو فیصد اعتماد کرنے والوں کے حق میں یہ دعوی خود مضحکہ خیز ہے کہ ایک نوعمر بچہ نے بحیرا کی تعلیمات کو چند گھنٹوں میں کیسے اخذ کرلیا؟ جن کی من وعن اشاعت کی فکر (نعوذ باللہ) برسوں بعد ہوئی۔

اس واقعہ کی صحت کے متعلق مستدرک حاکم کا بیان ہے کہ یہ واقعہ امام بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق بالکل درست ہے، گرچہ انہوں نے اس کو بیان نہیں کیا ہے۔

حافظ عسقلانیؒ ''الاصابہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ قصہ جس سند سے مروی ہے اس کے تمام افراد ثقہ ہیں۔''

گذشتہ سے پیوستہ

مسلمانوں کا زوال اور اس کے اسباب

محمد نفیس خاں ندوی

دنیا کی محبت

اللہ کے رسول (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے:

”واللہ ما الفقر أخشی علیکم ولکنی أخشی أن تبسط علیکم الدنیا، کما بسطت علی من کان قبلکم، فتنافسوھا کما تنافسوھا، وتھلککم کما أھلکتھم۔

(بخدا مجھے تمہارے متعلق فقر افلاس سے اندیشہ نہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ ہوجائے جس طرح تم سے پہلے دوسری قوموں کے لیے کشادہ ہوئی تھی اور تم اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہو اور اسی طرح ہلاک ہوجاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں)

مسلمان جب میدان میں آئے تو انھوں نے دنیا کی رہنمائی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، اور اس منصب پر قابض بیمار قوموں کو معزول کردیا، وہ دنیا کی زندگی کو نہ لعنت کا طوق سمجھتے تھے اور نہ عیش وعشرت کی آخری فرصت، اسی طرح وہ اس زندگی کو نہ کسی سابق گناہ کی سزا مانتے تھے اور نہ دنیا کو خوانِ یغما گردانتے تھے، بلکہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ زندگی اللہ کی ایک نعمت اور یہ دنیا اسی کی مملکت اور اس دنیا میں وہ خدا نائب اور اس کے خلیفہ ہیں، انھیں دنیا کی قوموں اور انسانی گروہوں پر نگراں اور اتالیق مقرر کیا گیا ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ راہ راست سے منحرف ہونے والوں کو وہ صراط مستقیم پر لائیں، کجی کو دور کریں، رخنوں کو بھرتے رہیں، کمزور کو طاقتور سے اس کا حق دلائیں، ظالم کو ظلم کرنے سے روکیں، لوگوں میں اعتدال پیدا کرکے خدا کی زمین میں امن وانصاف قائم کریں، اس طرح دنیا کے لیے ان سے بہتر محافظ ونگراں اور انسانوں کا ان سے بڑھ کر خیر خواہ کوئی اور نہ تھا۔

لیکن مسلمانوں کے عروج کا ابھی زیادہ عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ ان کے اندرونی حالات میں تبدیلی کا سلسلہ شروع ہوا، وہ اس عظیم مقصد کو فراموش کر بیٹھے جس کے لیے اللہ نے بہت سی قوموں کی موجودگی میں ان کا انتخاب کیا تھا یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ وہ اپنے جزیرہ سے یہ مقصد لے کر اٹھے تھے کہ لوگوں کو انسانوں کی خدائی سے نکال کر خدائے واحد کا پرستار بنائیں گے، جلد ہی اس مقصد کو انھوں نے فراموش کردیا، وہ لوگوں پر الٰہی قوانین کے بجائے اپنے وضع کیے ہوئے قانون نافذ کرنے لگے، وہ ان جاہل قوموں کے مشابہ ہوگئے جن سے وہ کل تک جنگ کررہے تھے، ان کے پیش نظر کوئی اعلیٰ اور صحیح مقصد باقی نہ رہا، ان کی تگ ودو اور جد وجہد دنیا کے تعیّشات اور لذیذ کھانے پینے تک محدود ہوکر رہ گئی، بالآخر دنیا کی قوموں میں ان کا کوئی امتیاز اور خصوصیت باقی نہ رہی، اپنے ہم جنسوں کی طرح وہ بھی انسانوں کا ایک گلہ ہوکر رہ گئے، دنیا طلبی، عیش پسندی، ظلم وبے انصافی، اسراف وتبذیر اور فواحش ومنکرات وغیرہ جرائم میں وہ دوسری قوموں سے بھی سبقت لے گئے، پھر خدائی نظام بھی نافذ ہوا اور ان پر غضب الٰہی کا نزول ہوا، باوجود اس کے کہ ان کے ملکوں میں بعض دینی شعائر کا رواج تھا، ان کے ناموں میں اسلامیت کا رنگ تھا' وہ خدا کی نظروں میں حقیر ہوگئے اور اپنی وسیع وعریض سلطنت، لاتعداد افواج، بیشمار خزانوں اور اپنی شاندار تہذیب کے باوجد وہ لوگوں کی نگاہ میں بے وقعت ہوگئے، دلوں سے ان کی عظمت وہیبت جاتی رہی، اور ظالم ومشرک قومیں ان پر حاوی ہوتی چلی گئیں۔ اس طرح نبی کریم (ﷺ) کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی:

"یوشك ان تداعی علیکم الامم کما تداعی الأکلة الی قصعتها. قالوا: أمن قلة نحن یومئذ یا رسول اللّٰہ؟قال: بل أنتم یومئذ کثیر، ولکنکم غثاء کغثاء السیل، وینزعن للّٰہ مهابة من صدور أعدائکم ولیقذفن فی قلبکم الوهن. قالوا: وماالوهن ؟ قال: حب الدنیا و کراهیة الموت)(أبو داؤد)

(جلد ہی ایک وقت آئے گا جب قومیں تم پر اس طرح یورش کریں گی جس طرح بھوکے کھانے پر ٹوٹتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی ؟ فرمایا: نہیں، اس وقت تمہاری تعداد تو بہت ہوگی لیکن تم خس وخاشاک کی طرح ہوگے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھالے گا اور تمہارے اندر ''وہن'' آچکا ہوگا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا: وہن کیا چیز ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے کراہیت)

اخلاقی گراوٹ

دنیا کی محبت کا لازمی نتیجہ اخلاق کی پستی اور کردار کی گراوٹ ہے، عروج وزوال کے باب میں اخلاق کی اہمیت کو فلسفۂ تاریخ و اجتماع کے مشہور استاد علامہ ابن خلدونؒ نے یوں بیان کیا ہے:

"اذا تأذن اللّٰہ بانقراض الملك من أمة حملهم علی ارتکاب المذمومات، وانتحال الرذائل، وسلوك طرقها، فتفقد الفضائل السیاسیة منهم جملة، ولا تزال فی انتقاض الی أن یخرج الملك من أیدیهم، ویتبدل به سواهم لیکون نعیا علیهم فی سلب ماکان اللّٰہ قد آتاهم من الملك، وجعل في أیدیهم من الخیر﴿ وَإِذَآ أَرَدۡنَآ أَن نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً أَمَرۡنَا مُتۡرَفِيهَا فَفَسَقُواْ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا ٱلۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنَٰهَا تَدۡمِيرٗا﴾واستقرئ ذلك وتتبعه في الامم السابقة تجد کثیرا مما قلناه ورسمناه۔" (مقدمة ابن خلدون)

(جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ملک چھیننا چاہتا ہے تو اس میں اخلاق ذمیمہ وعادات رذیلہ پیدا فرمادیتا ہے، پس وہ سیاسی خوبیوں سے محروم ہوجاتے ہیں، جب ان کی حرماں نصیبی بڑھ جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے قبضہ سے ملک نکال لیتا ہے، اور کسی دوسری قوم کو دے دیتا ہے، جس میں سیاسی خوبیاں پائی جاتی ہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ ملک سے محرومی اور ان کے ہاتھوں سے حکومت کا نکلنا خود ان کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انھیں جو نعمت ملک وعزت عطا فرمائی تھی وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے سلب کرلی گئی، قرآن پاک میں ہے﴿جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس میں مالداروں کی کثرت کردیتے ہیں، پھر وہ بداعمالیاں کرتے ہیں اور اس پر عذاب واجب ہوجاتا ہے، پھر ہم اسے پوری طرح تباہ کر ڈالتے ہیں﴾ اگر اقوام سابقہ کی تحقیق کی جائے اور ماضی کے حکمرانوں کے زوال کے اسباب تلاش کیے جائیں تو زوال کے یہی اسباب ملیں گے جو ہم نے بیان کیے)

مسلمانوں کی پوری تاریخ علامہ ابن خلدونؒ کے اس تجزیہ کی صداقتوں کی گواہ ہے۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں کو ایسے امراء وحکام نصیب ہوئے جن میں سے اکثر اخلاق عالیہ سے دور تھے، بلکہ ان میں سے بعض اشخاص ایسے بھی ہوئے جن کے اندر جاہلی جراثیم و میلانات بھی پائے جاتے تھے، قدرتی طور پر ان کی روح اور نفسیات کا اثر قومی زندگی پر بھی پڑا اور لوگ عموماً ان کے اخلاق واطوار کی تقلید کرنے لگے، دین کی نگرانی کم ہوگئی، احتساب کا مزاج اٹھ گیا، امر بالمعروف ونھی عن المنکر کا زور کم پڑ گیا، جاہلیت کو اسلامی ممالک کے اندر سانسیں لینے کا موقع ملا اور اس نے اپنا سر اٹھایا، عیش وعشرت، ترفع وتنعم کی زندگی عام ہوگئی، عیش وعشرت اور لہو ولعب کی گرم بازاری ہوئی، لذت اندوزی اور نفس پروری کا غلبہ ہوا، اور دنیا کی لذتوں کی ہوس بڑھتی گئی، کیونکہ پشت پر کوئی طاقت یا حکومت کی حمایت باقی نہ رہی، اس اخلاقی تنزل اور اس تفریحی انہماک کے ساتھ کسی قوم کے لیے قیادت کے منصب پر مدت دراز تک باقی رہنا بہت مشکل ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کا سرچشمہ ان کی ایمانی قوت اور ان کی

للٰہیت ہے اور قیادت کے منصب پر قیام و دوام ان اعلیٰ اخلاق سے ہی وابستہ ہے، مسلمان جب تک ان بنیادی صفات سے متصف تھے لوگ ان کے پھٹے پرانے کپڑے، ان کی پراگندہ حالی، بے بضاعتی اور جسم کی لاغری سے بھی لرز جایا کرتے تھے لیکن جب ان کا ایمان کمزور ہوا اور ان کا اخلاقی امتیاز باقی نہ رہا تو ان کی ظاہری شان وشوکت بھی اور ان کے زرو برق لباس بھی غیر مؤثر ہو گئے۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ سجستان کا بادشاہ رتبیل جو مسلمانوں کو خراج دیا کرتا تھا، یزید بن عبدالملک دور حکومت میں اس نے خراج دینے سے انکار کردیا، جب خلیفہ کے قاصد اس کے پاس پہنچے تو اس نے قاصدوں سے دریافت کیا:

''وہ لوگ کیا ہوئے جن کے پیٹ پچکے ہوئے تھے، جن کے چہرے نمازوں کی وجہ سے سیاہ تھے، اور جو کھجوروں کی چپل پہنا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ گذر گئے۔ رتبیل نے کہا: اگرچہ تمہارے چہرے ان سے زیادہ خوبصورت اور شاندار ہیں لیکن وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند اور طاقتور تھے۔''

(مافعل قوم كانوا يأتون خماص البطون، سود الوجوه من الصلاة، نعالهم خوص؟ قالوا: انقرضوا. قال: اولئك أوفى منكم عهدا وأشد بأسا وان كنتم أحسن منهم وجوها)(فتوح البلدان للبلاذری:۴۰۱)

تاریخی شہادتیں کہتی ہیں کہ جب حکمراں عیش وعشرت کے راستہ پر چل نکلیں تو حکومتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں، اخلاقی انحطاط ہی ملکوں اور تہذیبوں کے زوال کا نقطۂ آغاز ہے، مشہور مؤرخ ول ڈیورانٹ کا تجزیہ بالکل درست ہے:

"A great civilization is not conquered from without until it has destroyed itself within."

Casear And Christ , P.665

(ایک عظیم تہذیب اس وقت تک باہر سے فتح نہیں کی جاسکتی جب تک وہ خود اندر سے اپنے آپ کو برباد نہ کر لے)

اموی سلطنت کو بھی اخلاقی گراوٹ اور اسی عیش پرستی نے تباہ کیا، یوں تو اموی خاندان کے چودہ حکمرانوں میں سے دس شراب کے رسیا تھے مگر سلیمان اور یزید ثانی کی عیش پرستی، ہشام کی کنجوسی، اور ولید ثانی کی شراب نوشی ضرب المثل بن گئی تھی، اسی عیش وعشرت کے سبب انھوں نے امور سلطنت سے بے اعتنائی برتی، جس کے نتیجہ میں رؤساء اور ارکانِ حکومت خود سر ہو گئے، اور ان کے باہمی نفاق نے سلطنت کو اس قدر کھوکھلا کردیا کہ ابو مسلم خراسانی کی ایک ہی یلغار نے اموی سلطنت کا خاتمہ کردیا۔

عباسی سلطنت کی تاراجی بھی اسی عیش پرستی کا نتیجہ ہے، متوکل کے جانشیں آرام طلب، شراب کے متوالے اور بالکل لاابالی تھے، ان کے عیش وعشرت نے انھیں امور سلطنت سنبھالنے کے لائق نہ چھوڑا، وہ امراء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے اور مملکت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی، ایسی صورت میں خلافت عباسیہ کی تباہی یقینی تھی۔

امیر الشعراء احمد شوقی نے بالکل درست کہا ہے ؎

انما الامم الاخلاق مابقيت
فان هم ذهبت اخلاقهم ذهبوا

(قوموں کی بقا اسی وقت تک ہے جب تک ان میں اخلاق موجود ہوں، جب ان کے اخلاق ختم ہو جائیں تو ان کو بھی بقا نہیں)

جب کوئی عام انسان عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا ہے تو وہ خود یا زیادہ سے زیادہ اس کا گھر تباہ ہوتا ہے، لیکن جب ارباب اقتدار طاؤس ورباب میں گرفتار ہو جائیں تو ملک تباہ ہو جاتا ہے اور سلطنت فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے، کارکنان مملکت اور ارباب اقتدار کو تاریخ کی اس گونجتی صدا پر کان دھرنا چاہیے کہ ان کے اخلاقی انحطاط نے مملکتوں کو تباہ کردیا اور نسل کی نسل کو غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ دیا ؎

کیا دبدبۂ نادر کیا شوکت تیموری
ہوجاتے ہیں سب دفتر مئے ناب آخر
میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

جنت کی بشارت

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتۂ موت کو میرے گنہگاران امت میں مستحقان دوزخ کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں، تو فرشتہ موت کو حکم ہوتا ہے کہ ان گنہگاروں کو بشارت دے دو کہ بقدر اپنے اعمال کے دوزخ میں محبوس رہ کر اتنی عقوبت کے بعد جنت میں چلے آؤ گے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔''

لیکن بے شمار اسباب مغفرت وموجبات رحمت کے باوجود اگر کچھ بدنصیب ایسے باقی رہ جائیں جو سوفی صدی کامیابی حاصل نہ کرسکیں تو ان غریبوں کی تسلی کے لیے یہ بھی کچھ کم نہیں کہ ان کی عدم مغفوریت بھی بس عارضی ووقتی ہے اور مغفرت و مرحومیت ان کے لیے آخری نوشتہ تقدیر ہی ہے۔ تقاضائے رحم وکرم، تقاضائے عدل وانصاف پر بالآخر غالب ہی رہے گا۔

''عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ جو شخص زمین کے کسی ٹکڑے پر بھی سجدہ کرتا ہے وہ ٹکڑا قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گا اور وہ ٹکڑا اس کی موت کے دن اس پر روتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا تعلق اپنے ہر بندہ مومن سے کتنا زندہ اور جان دار ہوتا ہے، آج سجدہ کیجیے اور کل دیکھ لیجیے کہ زمین کا ہر ہر چپہ جس پر آپ نے کبھی بھی اللہ کریم کے لیے سر ٹیکا ہے، آپ کے حق میں گواہ بن کر آئے گا اور اس دنیا میں بھی جس وقت آپ سے رکوع وسجود کی قوت، ہمیشہ کے لیے سلب کرلی جاتی ہے، وہ بے حس ٹکڑا زمین کا بے حس نہیں رہتا ہے، بلکہ سجدہ گزار مومن کے حق میں روتا ہے۔ کیا عجب کہ ہر سجدۂ زمینی سجدہ کو نئی زندگی بخشتا ہو۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے کہ زمین مومن کے مرنے پر چالیس دن تک روتی رہتی ہے۔''

بندۂ مومن پر اکرام ونوازش کی کوئی حد وانتہا ہے؟ زمین بظاہر ہر طرح مردہ و بے جان، خشک وجامد، گنگ و بے حس بھی مومن کی موت پر رنج وغم محسوس کرتی اور چالیس دن تک اس پر روتی رہتی ہے ؎

اکبر اس فطرت خاموش کو بے حس نہ سمجھ ۔۔۔ نور بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ

''حکیم ترمذی نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک حساب قبر میں ہوتا ہے اور ایک آخرت میں، پس جس شخص کا حساب قبر میں کرلیا جائے اس نے نجات پالی اور جس کا حساب قیامت میں ہوا وہ معذب ہوا۔ حکیم ترمذی نے (اس کی شرح میں) کہا ہے کہ مومن کا حساب تو قبر میں اس لیے کرلیا جاتا ہے کہ کل قیامت کے دن اس کو آسانی ہوجائے اور اس کو برزخ میں کسی قدر تکلیف دے کر گناہوں سے پاک صاف کردیا جاتا ہے تاکہ قبر سے وہ بدلا ہوا نکلے جس کے بعد قیامت میں بچا رہے۔''

گویا مومن کی جو تھوڑی بہت تکلیف برزخ میں ہوگی (عالم قبر کو بھی برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے) یہ اسے یوم قیامت کے ہول ناک اور شدید عذاب سے بچا لینے والی ہوگی۔ یعنی یہ چھوٹی سی تکلیف بہت بڑی تکلیف سے کفارے کا کام دے گی۔ مومن کے لیے یہ سہولتیں اور آسانیاں ہیں، یہاں تک کہ عذاب پانے والے مومن کے حق میں بھی اور جو صورتیں قہر وعذاب کی معلوم ہوتی ہیں وہ بھی در پردہ صورتیں لطف ومہر ہی کی ہوتی ہیں۔ (جاری)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP -19

Volume: 11 ✤ AUGUST 2019 ✤ Issue: 08

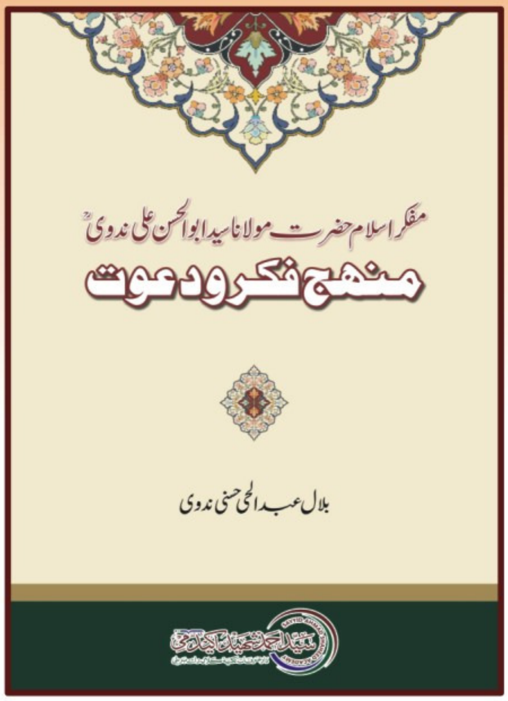

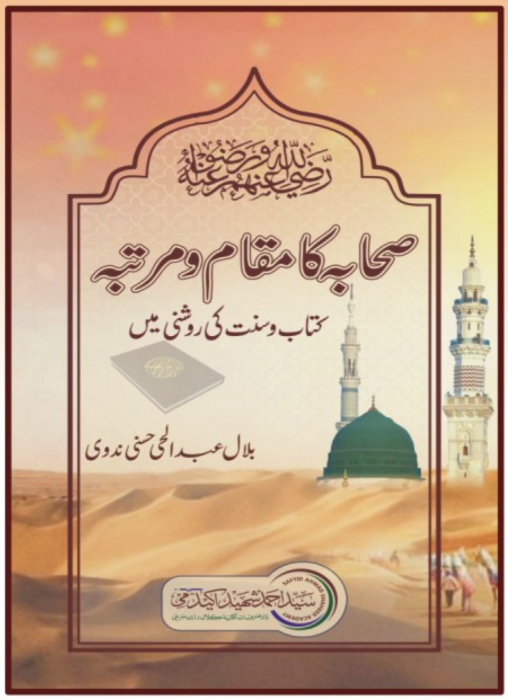

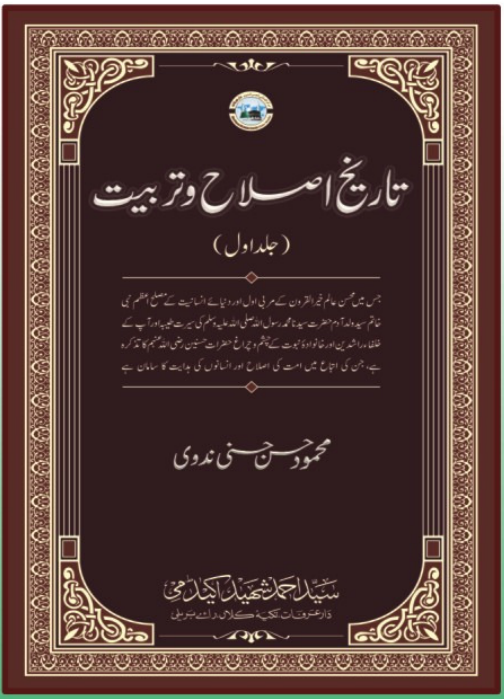

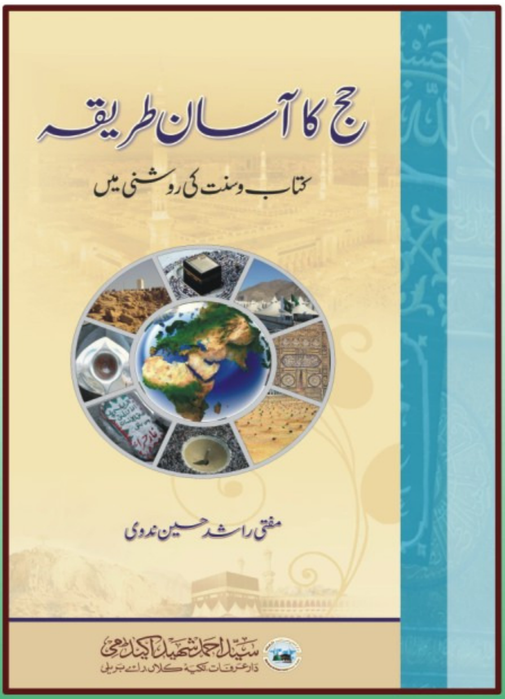

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)